ذوقِ ادب

(حصّہِ دوم)

برائے مضمون اختیاری اردو

بی۔اے (سال دوم)

مُرتّبہ

شعبہ اردو، عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد

ناشر: اُردو اکیڈیمی آندھرا پردیش، حیدرآباد

www.urduacademyts.com

ذوقِ ادب

(حصۂ دوّم)

برائے

بی۔اے (سالِ دوم)

اُردو زبانِ اختیاری

مُرتّبہ

شعبۂ اُردو۔ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد

ناشر

اُردو اکیڈیمی۔ آندھرا پردیش۔ حیدرآباد

www.urduacademyts.com

© جملہ حقوق بحق اُردو اکیڈیمی آندھرا پردیش محفوظ ہیں

زیرِ سرپرستی

محمد رحیم الدین انصاری

صدر نشین اُردو اکیڈیمی آندھرا پردیش

پہلا ایڈیشن :اگست 2009ء

تعداد :1,000 (ایک ہزار)

قیمت :۲۵ روپے Rs. 25

طباعت :شارپ کمپیوٹرس، حیدرآباد۔ 9392427796

کمپوزر :ابوزاہد شاہ سید وحید اللہ حسینی القادری الملتانی

ناشر :اُردو اکیڈیمی۔ آندھرا پردیش

حج ہاؤز۔ چوتھی منزل۔ نامپلی۔ حیدرآباد

فون 23237810 - 23237995

ملنے کے پتے

- دفتر اُردو اکیڈیمی۔ حج ہاؤز۔ چوتھی منزل۔ نامپلی۔ حیدرآباد۔
- اُردو اکیڈیمی۔ سنٹرل لائبریری۔ نزد قدیم کمشنر آفس۔ پرانی حویلی۔ حیدرآباد۔

www.urduacademyts.com

ذوقِ ادب

(حصۂ دوّم)

برائے اُردو زبان اختیاری

بی۔اے (سالِ دوم)

ادارتی بورڈ

پروفیسر مجید بیدار

چیرمین بورڈ آف اسٹڈیز اُردو۔ جامعہ عثمانیہ۔ حیدرآباد

مشیران گرامی

- پروفیسر عبدالستار دلوی سابق صدر شعبہ اُردو ممبئی یونیورسٹی۔ ممبئی
- پروفیسر فاطمہ بیگم صدر شعبہ اُردو۔ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد
- پروفیسر میمونہ سابق صدر شعبہ اُردو۔ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد
- پروفیسر تاتارخاں شعبہ اُردو۔ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد
- پروفیسر عطیہ سلطانہ شعبہ اُردو ویمنس کالج۔ کوٹھی۔ حیدرآباد
- ڈاکٹر لیس۔ اے شکور ریڈر شعبہ اُردو۔ نظام کالج۔ حیدرآباد
- ڈاکٹر عسکری صفدر ریڈر شعبہ اُردو۔ گورنمنٹ ڈگری کالج۔ حسینی علم حیدرآباد
- ڈاکٹر عابدالنساء بیگم پرنسپل و ریڈر شعبہ اُردو سگنوڈیا ڈگری کالج۔ پتھرگٹی۔ حیدرآباد
- مرزا مصطفیٰ علی بیگ لکچرر گورنمنٹ ڈگری کالج حسینی علم (برائے خواتین) حیدرآباد

www.urduacademyts.com

فہرست

حصہ نظم

۱۔	مثنوی	دنیا کی بے ثباتی	ازمرزا شوق لکھنوی	18
۲۔	قصیدہ	انتخاب از مدیح خیر المرسلین	ازمحسن کاکوروی	15
۳۔	مرثیہ	مرثیۂ غالب	ازمولانا حالی	25
۴۔	موضوعاتی نظمیں			
	۱۔روایتی نظم	۴۔اہل بیت اطہار کی زندگی	ازشبلی نعمانی	28
	۲۔نیچرل نظم	۵۔مرغابی	ازسرور جہاں آبادی	31
	۳۔وطنی نظم	۶۔خاکِ ہند	از برج نرائن چکبست	34
	۴۔قومی نظم	۷۔نیا شوالا	ازعلامہ اقبال	37
	۵۔رومانی نظم	۸۔برکھارُت	ازاختر شیرانی	40
	۶۔انقلابی نظم	۹۔ایسٹ انڈیا کمپنی کے فرزندوں کے نام	ازجوش ملیح آبادی	44
	۷۔علامتی نظم	۱۰۔زنجیر	ازن۔م راشد	50
	۸۔آزاد نظم	۱۱۔تبوک آواز دے رہا ہے	ازعادل منصوری	55
	۹۔معری نظم	۱۲۔چوتھا آدمی	ازندا فاضلی	57
	۱۰۔جدید نظم	۱۳۔دھرتی تیرا مجھ سا روپ	ازقاضی سلیم	59

۵۔غزلیات

۱۔سراج اورنگ آبادی	۱۔نہ تھا بے اختیاری کے محل میں اختیار اپنا		64
	۲۔دو رنگی خوب نہیں یک رنگ ہو جا		68
۲۔میر تقی میر	۱۔مہر کی تجھ سے توقع تھی ستمگر نکلا		69
	۲۔قتل کیے پر غصہ کیا ہے، لاش مری اٹھوانے دو		70
۳۔انشاء اللہ خان انشاء	۱۔ مجھ سے اغیار کوئی آنکھ ملا سکتے ہیں		71
	۲۔زاہد میرے مولا کے اسرار نہیں پاتا		72
۴۔مومن خان مومن	۱۔کہتے ہو، تم کو ہوش نہیں اضطراب میں		73
	۲۔وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو		74
۵۔شوکت علی خان فانی	۱۔جی ڈھونڈھتا ہے گھر کوئی دونوں جہاں سے دور		75
	۲۔دنیا میری بلا جانے مہنگی ہے یا سستی ہے		76
۶۔مجروح سلطان پوری	۱۔گو رات مری صبح کی محرم تو نہیں ہے		77
	۲۔جب ہوا عرفاں تو غم آرامِ جاں بنتا گیا		78

www.urduacademyts.com

پیش گفتار

کسی بھی زبان اور ادب کا مطالعہ جب ''اختیاری زبان'' کی حیثیت سے کیا جاتا ہے تو اس دوران نصاب کی ترتیب میں شعری و نثری اصناف کا تعارف کروانا ہی نہیں ہوتا بلکہ علمِ زبان، انشا پردازی اور علمِ قواعد پر بھی خصوصی توجہ دینی ہوتی ہے۔ اسی بنیادی نکتہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے بی۔اے (سالِ دوم) کا نصاب ''ذوقِ ادب'' جلد دوم کے زیرِ عنوان مرتب کیا گیا ہے۔ نصاب کی تیاری میں خاص طور پر ہر دور کے ادب کی نمائندگی اور نمائندہ شاعروں اور ادیبوں کی تخلیقات کی شمولیت پر خصوصی توجہ دی گئی۔ جس کے ساتھ ہی یہ بات بھی ملحوظ رکھی گئی ہے کہ نصاب کو دلچسپ اور طلباء کی نفسیات اور ذہانت سے میل کھاتا ہوا رکھا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر درجہ کی زبان دوم اور اختیاری زبان کی نصابی کتب میں بکثرت مستعملہ شعری اصناف جیسے مثنوی، قصیدہ اور مرثیہ کے علاوہ رباعی اور قطعات کو نمائندگی دی جارہی ہے تو ان اصناف کے تنوع کی نمائندگی پر بھی خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ طلباء اور اساتذہ جامعہ عثمانیہ کی جانب سے مرتب کردہ گریجویشن کی سالِ اول اور سالِ دوم کی اختیاری اور لازمی زبانوں کی کتابوں کے مطالعہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ صرف اصناف کے تعارف پر ہی اکتفا ہی نہیں کیا گیا بلکہ اسکے فنی نقوش اور تاریخی جائزے کے ساتھ ساتھ ان کی موضوعاتی درجہ بندی کی طرف بھی توجہ دی گئی ہے۔ اُردو کی کسی بھی نصابی کتاب میں ابھی تک ''اُردو نظم'' کی موضوعاتی تقسیم کا احاطہ نہیں کیا گیا تھا۔ جامعہ عثمانیہ کے اس نئے نصاب میں روایتی نظم، نیچرل نظم، وطنی نظم، قومی نظم، رومانی نظم، انقلابی نظم، علامتی نظم، آزاد نظم، معریٰ نظم اور جدید نظم کے تعارف کے ساتھ اس موضوع کی نمائندہ نظموں کو بھی نصاب میں شامل کیا گیا ہے۔ غزل کے مختلف انداز یعنی روایتی غزل، رنگین غزل، متصوفانہ غزل، مسائلی غزل، جدید غزل اور غزل مسلسل کے تعارف کو بھی اس نصاب میں شامل کیا گیا ہے۔ تمام شعری اور نثری اصناف کے تعارف کے دوران فنی اور علمی نکات کی پذیرائی بھی کی گئی تاکہ، ایک طالب علم کتاب کے مطالعہ کے ذریعہ تمام ادبی موضوعات سے آگہی حاصل کرسکے۔ بلاشبہ نصابی کتاب میں جس قسم کے نئے انداز کے مواد کو شامل کرکے ادبی معلومات کا ذخیرہ فراہم کیا گیا ہے۔ اس سے توقع ہے کہ طلبہ ہی نہیں بلکہ اساتذہ کو ہر موضوع کی تفہیم و ترسیل میں سہولت حاصل ہوگی۔

www.urduacademyts.com

جامعہ عثمانیہ کے اس مجوزہ نصاب کو آندھرا پردیش کی دوسری یونیورسٹیوں جیسے کاکتیہ یونیورسٹی ورنگل، تلنگانہ یونیورسٹی نظام آباد، اور ساتواہنا یونیورسٹی کریم نگر کے علاوہ کئی Autonomous کالجوں نے بھی اختیار کیا ہے۔ جن کالجوں اور یونیورسٹیوں میں (میقات) کے اساس پر امتحان منعقد ہوتے ہیں۔ انہیں جامعہ عثمانیہ کے اُردو کے نصاب کو بآسانی دو میقات میں منقسم کر کے درس و تدریس کی سہولت فراہم کی جاسکتی ہے۔ موجودہ نصاب سال واری امتحان کے لیے ہی کارآمد نہیں بلکہ میقاتی امتحانات کے انعقاد کے لیے بھی کارآمد ہے۔ اس لیے جامعہ عثمانیہ کے شعبۂ اُردو کے اس نصاب سے طلباء، اساتذہ اور پرچۂ سوالات مدوّن کرنے والے ممتحنین کو بھی سہولت حاصل ہوگی۔

نصاب کی ترتیب کے ذریعہ شعری اور نثری حصہ کو جدید معلومات سے ہم آہنگ کرنے میں جس قسم کے مثبت اقدامات کیے گئے۔ ان کے فائدہ بخش نتائج برآمد ہوں گے اور طلبا نہ صرف ادب اور اصنافِ ادب بلکہ اس کے آغاز و ارتقاء کی تاریخ اور تعارف سے بھی بہرہ ور ہوں گے۔ اساتذہ کرام سے خصوصی گذارش ہے کہ وہ صرف سبق کے مطالعہ پر ہی توجہ نہ دیں بلکہ ہر صنف سے متعلق نصاب میں شامل مواد کو بآواز بلند طلباء کے روبرو قرأت کریں۔ جس سے ان کی معلومات میں اضافہ کے امکانات روشن ہوں گے۔ اساتذہ کی جانب سے تعمیری مشوروں کا استقبال کیا جائے گا۔ توقع ہے کہ یہ نیا نصاب اُردو طلبا کی ذہنی بالیدگی کا ذریعہ بنے گا اور اساتذہ کی جانب سے اس نئے نصاب میں شامل ندرتوں کا خیر مقدم کیا جائے گا۔ اُردو اکاڈمی آندھرا پردیش نے اس کتاب کی اشاعت کی ذمہ داری قبول کی جس کے لیے اکاڈمی کے ذمہ داروں کا شکریہ ادا کرنا لازمی ہے اور ان کا تعاون توقع ہے کہ مستقبل میں بھی جاری رہے گا۔ فقط

مورخہ ۱۰/ اگست 2009ء

پروفیسر مجید بیدار
چیرمین بورڈ آف اسٹڈیز
شعبۂ اُردو۔ جامعہ عثمانیہ
حیدرآباد

www.urduacademyts.com

جدید مثنوی

www.urduacademyts.com

جدید مثنوی

داستانوی، عشقیہ، رومانی اور روایتی قصہ لکھنے کے بجائے دورِ حاضر کے حالات، حقائق، سیاسی بازی گری، ناانصافی اور بے راہ روی کو بنیاد بنا کر لکھی جانے والی شاعری جس میں مثنوی کے بحر اور اوزان کا لحاظ رکھا جائے اسے جدید مثنوی کا نام دیا جاتا ہے۔ اُردو میں جدید مثنوی کی بنیادیں خواجہ الطاف حسین حالی کی مثنویاں حبِ وطن، چپ کی داد اور بیوہ کی مناجات سے مستحکم ہوتی ہیں۔ محمد حسین آزاد نے بھی جدید مثنوی کے فروغ میں حصہ لیتے ہوئے ''مناظرۂ رحم و انصاف''، ''حبِ وطن'' جیسی مثنویاں لکھیں۔ مولانا حالی اور آزاد کے توسط سے اُردو میں جدید مثنوی کی روایت کا آغاز ہوتا ہے۔ ✪✪✪

مثنوی کا تعارف

فنی اعتبار سے شاعری کی مشہور عروضی خصوصیت بحر ہزج محذوف کے سات اوزان میں سے کسی ایک وزن میں کسی قصہ یا واقعہ کو ترتیب وار بیان کرنا مثنوی ہے۔ اُردو میں داستانوی، عشقیہ، رومانی اور متصوفانہ مثنویاں لکھی جاتی رہیں۔ جن میں کوئی قصہ، کہانی واقعہ یا حکایت کو منظوم کیا جاتا رہا روایتی مثنوی کے اصولوں کو خیر باد کہہ کر جدید مثنوی کی بنیاد رکھی گئی۔ جس میں پرانی مثنویوں کے انداز حمد و نعت و منقبت اور مناجات سے گریز اور مدحِ شاہ جیسے پانچ اجزا کو خیر باد کہہ کر ابتداء سے ہی راست قصہ یا واقعہ بیان کرنے کا آغاز کیا گیا۔ اسی بنیادی تبدیلی کی وجہ سے جدید مثنوی کا آغاز ہوا۔ مولانا حالی اور محمد حسین آزاد کی اولین مثنویوں میں ابتدا سے ہی قصہ کا منظوم آغاز موجود ہے۔ اس لیے ان کی مثنویوں کو جدید مثنوی کی بنیاد کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

مثنوی کے قصہ میں ماورائی، داستانی یا پھر مافوق الفطرت عناصر سے ہٹ کر

تاریخی جائزہ

۱۸۵۷ء کے غدر تک اُردو میں داستانوی، عشقیہ اور رومانی مثنویوں کا رواج عام رہا۔ جس کے ذریعے قصہ میں مافوق الفطرت عناصر کا دخل ہوتا تھا۔ دکن، دہلی اور لکھنو میں اسی انداز کی مثنویوں کو پسند کیا جاتا رہا۔ انجمن پنجاب کے قیام اور لاہور کی سرزمین میں ادبی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے معاملہ میں کرنل ہارائیڈ کے مشوروں کا یہ نتیجہ رہا کہ اُردو شاعری میں مبالغہ آرائی کے بجائے حقیقت پسندی کو شامل کیا جانے لگا اگرچہ اس سے قبل متصوفانہ مثنویوں میں واقعاتی حقیقت اور حکایتی حقیقت کا وجود تھا اور روحانی ماحول کی پیشکشی کے معاملہ میں عقیدت کے دخل نے زمینی اور سماجی حقیقت کو مثنوی کی صنف سے دور رکھا تھا۔ ایسے حالات میں لاہور میں انجمن پنجاب کے پہلے مشاعرہ ۱۸۷۴ء کے انعقاد کے بعد روایتی شاعری میں تبدیلی کا رجحان پیدا ہوا اور اسی تبدیلی نے مولانا حالی اور محمد حسین آزاد کو جدید مثنوی لکھنے کی طرف مائل کیا چنانچہ مولانا حالی اور مولانا آزاد کی مثنویوں نے صنفِ مثنوی کے قدیم کے مزاج میں تبدیلی پیدا کی۔

حالی نے اپنی کتاب ''مقدمۂ شعر و شاعری'' میں اُردو کی سب سے افادی شعری صنف ''مثنوی'' کو قرار دے

www.urduacademyts.com

صرف اور صرف زمین پر پیش آنے والے واقعات کے ساتھ کسی مرد اور عورت کے عشق کی داستان، مافوق الفطرت کردار کو شامل کیے بغیر پیش کی جائے تو ایسی مثنوی کو ''زمینی عشق'' سے وابستہ مثنوی قرار دیا جائے گا۔ شوق لکھنوی کی لکھی ہوئی مثنوی '' زہر عشق'' اسی انداز کی نمائندگی کرتی ہے۔ صاحب ارادت، پیر، پیغمبر، رسول، صاحب کشف و کرامت کی شخصیت کو بنیاد بنا کر اوصافِ حمیدہ، کردار عمل اور معجزات کا ذکر قصہ کی حیثیت سے کیا جائے تو ایسی مثنوی کو عقیدت مندانہ مثنوی کہی جاتی ہے۔ محمد باقر آگاہ ویلوری کی مثنوی ''ہشت بہشت'' اور شاد عظیم آبادی کی مثنوی ''حوضِ کوثر'' اسی انداز کی مثنویوں میں شمار کی جاتی ہیں۔ سیاسی، معاشی اور معاشرتی حالات کو بنیاد بنا کر لکھی جانے والی مثنویاں ''حالاتِ حاضرہ'' کی مثنوی قرار دی جاتی ہیں۔ ساقی نامہ کے طرز پر اقبال کی لکھی ہوئی مثنوی اسی مزاج کی نمائندگی کرتی ہے۔

شاعروں، ادیبوں، سماجی کارکنوں اور نقادوں کے کھوکھلے رویوں کو بنیاد بنا کر بھی اُردو میں مثنویاں لکھی گئیں۔ ایسی مثنویوں کو ''طنزیہ و مزاحیہ مثنوی'' کی حیثیت حاصل ہوگی۔ قاضی سلیم کی لکھی ہوئی ''مثنوی باغباں و گل فروش'' اسی مزاج کی نمائندگی کرتی ہے۔ جاں نثار اختر کی مثنوی ''امن نامہ'' کیفی اعظمی کی ''خانہ جنگی'' اور علی سردار جعفری کی مثنوی ''جمہور'' نے جدید مثنوی کے لیے سازگار ماحول پیدا کیا۔ چنانچہ دور حاضر میں نئے انداز کی مثنویاں اور ان میں حقائق کو پیش کرنے کی جانب توجہ دی جارہی ہے۔ جس کی وجہ سے مثنوی کو ایک مردہ صنف کی قبیل سے باہر نکلنے کا موقع دستیاب ہوا ہے۔

عملی طور پر اس کی ترقی پر توجہ دی۔ جس کی وجہ سے ''جدید مثنوی'' کی بنیاد پڑی اور اس دور کے شعراء نے ''نیچرل شاعری'' کے پس منظر میں فطرت، معاشرت، سیاسی و سماجی حالات کے پیش نظر مثنوی لکھنے کی روایت کا آغاز کیا۔ اسمٰعیل میرٹھی نے بچوں کی دلچسپی اور ''ادبِ اطفال'' پر توجہ دیتے ہوئی مثنویاں لکھیں۔ حامد اللہ افسر اور شفیع الدین نیر نے بھی بچوں کے ادب میں اضافہ کرنے کے لیے مثنوی کی روایت کو آگے بڑھایا۔ ۱۸۵۷ء سے لے کر ہندوستان کی آزادی یعنی ۱۹۴۷ء تک اُردو کے بیشتر شعراء نے مختلف انداز کی مثنویاں لکھیں۔ زمینی عشق کی نمائندگی کرنے والی مثنویوں میں نواب تصدق حسین شوق لکھنوی کی ''زہر عشق'' اور نواب مرزا خان شوق دہلوی کی مثنوی ''عالمِ خیال'' کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ شوق لکھنوی نے ایک سوداگر کی لڑکی کی ایک عام انسان سے محبت اور شوق دہلوی نے ایک شادی شدہ عورت کے اپنے شوہر سے دور رہنے کے جذبات کو ''عالمِ خیال'' میں پیش کر کے ''مثنوی'' کے انداز میں تبدیلی پیدا کی۔ ترقی پسند تحریک کی شروعات ۱۹۳۶ء کے بعد اس تحریک سے وابستہ شعراء نے ''جدید مثنوی'' کے فروغ کی جانب توجہ دی۔ خانہ جنگی (کیفی اعظمی) امن نامہ (جان نثار اختر) جمہور (علی سردار جعفری) مثنویاں اسی انداز کی نمائندہ مثنویاں ہیں۔ آزادی کے بعد شاد عظیم آبادی نے مثنوی لکھ کر سیرت النبی ﷺ کو مثنوی کے قصہ کا درجہ دیا۔ جبکہ اورنگ آباد کی سرزمین سے تعلق رکھنے والے قاضی سلیم نے ادیبوں اور شاعروں پر نقادوں کی بیجا تنقید کو مثنوی ''باغبان و گل فروش'' میں پیش کیا جس میں شاعر نے پہلی مرتبہ مافوق الفطرت عناصر سے گریز برتتے ہوئے صرف اور صرف انسان یعنی مرد اور عورت کے آپسی محبت کو ظاہر کیا ہے وہ شوق لکھنوی ہیں اسی وجہ سے ''زہرِ عشق'' کو زمینی محبت کی پہلی مثنوی کا درجہ حاصل ہے اور اس مثنوی میں شاعر نے دنیا کی اٹل حقیقتوں کو نمایاں کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ انسان کی حیثیت فانی ہے اور دنیا میں ہر انسان کو کچھ وقفہ کے لیے زندگی بسر کرنا ہے۔ مثنوی ''زہر عشق'' اسی کی بہترین مثال ہے۔

www.urduacademyts.com

دنیا کی بے ثباتی

مرزا شوق لکھنوی

نام تصدق حسین خاں، تخلص شوق، لکھنو کے ایک معزز خاندان میں ۱۷۸۳ء میں پیدا ہوئے۔
فریبِ عشق، بہارِ عشق اور زہرِ عشق ان کی مشہور مثنویاں ہیں۔
ذیل کے اشعار ان کی مثنوی زہرِ عشق سے ماخوذ ہیں۔ اس نظم میں انہوں نے دنیا کی بدلتی ہوئی حالتوں کا ذِکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ یہاں کسی چیز کو ثبات نہیں۔ ✪✪✪

جائے عبرت سرائے فانی ہے — مَورِدِ مرگِ ناگہانی ہے
اونچے اونچے مکان تھے جن کے — آج وہ تنگ گور میں ہیں پڑے
کل جہاں پر شگوفہ و گل تھے — آج دیکھا تو خار بالکل تھے
جس چمن میں تھا بلبلوں کا ہجوم — آج اس جا ہے آشیانہ بوم
بات کل کی ہے نوجواں تھے جو — صاحبِ نوبت و نشاں تھے جو
آج خود ہیں نہ ہے مکاں باقی — نام کو بھی نہیں نِشاں باقی
جو کہ تھے بادشاہِ ہفت اقلیم — ہوئے جا جا کے زیرِ خاک مقیم
کوئی لیتا نہیں اب اس کا نام — کون سی گور میں گیا بہرام
اب نہ رستم نہ سام باقی ہے — اِک فقط نام ہی نام باقی ہے
کل جو رکھتے تھے اپنے فرق پہ تاج — آج ہیں فاتحہ کو وہ محتاج
تھے جو خود سر جہان میں مشہور — خاک میں مِل گیا سب اُن کا غرور
تاج میں جن کے ٹکتے تھے گوہر — ٹھوکریں کھاتے ہیں وہ کاسۂ سر
رشکِ یوسف جو تھے جہاں میں حسیں — کھا گئے ان کو آسمان و زمیں
ہر گھڑی مُنقلِب زمانہ ہے — یہی دنیا کا کارخانہ ہے
مَوت سے کس کو رَستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے

www.urduacademyts.com

نعتیہ قصیدہ

کسی بادشاہ، وزیر، امیر اور صاحبِ شخصیت کی مدح میں لکھی جانے والی شاعری کو ''قصیدہ'' کا درجہ حاصل ہے۔ صرف تعریف ہی تعریف کا انداز شاعری میں روا رکھا جائے تو ''مدحیہ قصیدہ'' اور تعریف کے بجائے تذلیل یا تضحیک کو قصیدہ میں شامل کیا جائے تو ایسا قصیدہ ''ہجویہ قصیدہ'' کہلاتا ہے۔ شاہی اور درباداری کے دوران اُردو کے شاعروں نے بادشاہوں اور امیروں کی شان میں قصیدے لکھے اور بسا اوقات ''سہرے'' لکھ کر اس صنف کی نمائندگی کی۔ نعتیہ قصیدہ لکھنے کی روایت عربی اور فارسی سے اُردو میں مرّوج ہوئی۔ عربی میں ''قصیدہ بردہ'' اس کی اہم مثال ہے۔ پیغمبر اسلام کی حیات کارنامے، خوارقات اور عادات واطوار کے علاوہ آپ کے معجزات کا بیان تعریفی اور توصیفی انداز میں کرتے ہوئے قصیدہ کے بلند آہنگ اور قافیہ کی برجستگی کو ملحوظ رکھا جائے تو ایسے قصیدے کو ''نعتیہ قصیدہ'' کہا جاتا ہے۔ اُردو کے بیشتر شعراء نے ''نعتیہ قصیدے'' لکھے لیکن محسن کاکوروی کے نعتیہ قصیدہ ''مدیح خیرالمرسلین'' کو اُردو ادب میں اہم مقام حاصل ہے۔ ✪✪✪

نعتیہ قصیدہ کا فن

ادب واحترام، تعظیم وتکریم کے علاوہ عمدہ القاب اور شخصیت کے وقار کو برقرار رکھتے ہوئے جب شاعری میں قصیدہ کا رویہ اختیار کیا جائے اور اس میں جاذبِ نظر شخصیت کی حیثیت سے حضرت محمد ﷺ کو پیش کیا جائے تو ایسا قصیدہ ''نعتیہ قصیدہ'' کہلاتا ہے۔ نعت کی تمام ضرورتوں کی تکمیل ''نعتیہ قصیدہ'' میں روا رکھی جاتی ہے۔ حضرت محمد ﷺ کی پاک و صاف زندگی اور

تاریخی پس منظر

اُردو ادب میں قصیدہ کی روایت کے ساتھ ہی نعتیہ قصیدہ کی روایت پروان چڑھتی ہے۔ دکن میں سب سے پہلے قصیدہ لکھے گئے لیکن ان قصائد میں اجزائے ترکیبی کا استعمال نہیں تھا۔ عام طور پر دکنی مثنوی نگار شعراء نے مثنوی کے دوران ''مدحِ شاہ'' اور ''مدحِ پیرِ طریقت'' کے زیر اثر مذہبی عقیدت کے سہارے ''قصیدے'' تحریر کئے یہ قصیدے فن کی باریک بینی کے علمبردار نہیں کیونکہ دکن میں قصیدہ کی صنف اور اس کے اجزاء کا تعین نہیں ہوا تھا۔ سودا کے دور سے قصیدے کے رویہ میں فن کا دخل ہوا، اور اس کے اجزاء متعین

www.urduacademyts.com

آپ ﷺ کے مشن کے علاوہ تبلیغ کے انسان دوست انداز کو ''نعتیہ قصیدہ'' میں دلچسپ طرز میں اختیار کیا جاتا ہے۔ قصیدہ نگاری کے اجزاء یعنی مطلع، تشبیب، گریز اور دعا کو ''نعتیہ قصیدہ'' میں جگہ دی جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں کوئی سخت اصول مدون نہیں کیے گئے، بلکہ شاعر کی قوتِ تمیز پر مشتمل ہے کہ وہ قصیدے کے اجزائے ترکیبی کو اپنے انداز میں استعمال کرے۔ سیرت نبوی ﷺ کا بیان ہی نہیں بلکہ اس پر عمل کرنا بھی خدا کی بارگاہ میں خوشنودی کا باعث ہے۔ بلاشبہ نعتیہ شاعری کے ذریعہ اُردو شاعروں نے پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی کے ہر گوشہ کی نمائندگی کی چنانچہ نعتیہ کلام غزل، نظم، دوہا، ماہیا، آزاد نظم، معریٰ نظم، پابند نظم، نثری نظم، ہائیکو کے علاوہ گیت جیسی شعری اصناف میں پیش کیا گیا۔ قصیدہ کی صنف چونکہ تعریف کے مبالغہ آمیز پہلو کی نمائندہ رہی۔ شاہی اور تہذیب واخلاق کو زوال کے وقت اُردو شاعری میں قصیدہ کو عروج حاصل ہوا۔ دہلی کے مغل بادشاہوں، لکھنو کے حکمرانوں، رامپور کے نوابین اور بھوپال کے امراء کا اقتدار جس وقت زوال کی طرف مائل تھا۔ اُردو قصائد میں مبالغہ کے دریا بہائے جارہے تھے۔ بادشاہوں اور امیروں کی جھوٹی شان کو فن کی باریکی کے ساتھ نمایاں کیا جارہا تھا۔ ایسا مبالغہ فطرت کے خلاف اور حقیقت پسندی سے بے نیازی کا نتیجہ تھا۔ اسی لیے حقیقت اور سچی شان کو فروغ دینے کا

کیے گئے۔ دکنی مثنویوں میں موجود قصیدے عقیدت مندانہ تعریف کے علمبردار ہیں۔ جن میں مبالغہ کا اثر کم اور تعریف کا فطری انداز نمایاں ہے۔ اس اعتبار سے دکن میں قصیدہ کی صنف علاحدہ سے رواج نہیں پائی بلکہ مثنوی کے دوران ''مدح'' کا ارادہ رکھنا ہی قصیدہ کی ضرورت سمجھی گئی۔ مثنوی کا ہر شعر علاحدہ قوافی ردیف میں ہوتا ہے جبکہ قصیدہ کے لیے غزل کے انداز کو روا رکھا جاتا ہے جس کی وجہ سے دکنی قصیدہ میں مثنوی کے طرز کی نمائندگی ملتی ہے۔ دکنی قصیدہ گو شعراء میں سلطان قلی، وجہی، غواصی، شاہی نصرتی وغیرہ مشہور ہیں۔

دکنی شاعروں نے جس طرح قصیدہ کو مثنوی کا حصہ بنایا اسی طرح قصیدہ نما مثنوی کی بنیاد بھی رکھی۔ عادل شاہی دور بیجاپور، کے شاعر ''عبدل'' نے مثنوی ''ابراہیم نامہ'' تحریر کی جو بنیادی طور پر مثنوی ہے لیکن ایک قصیدہ کی طرح ابراہیم عادل شاہ جیسے نامور بادشاہ کی مدح کو بھی اس مثنوی میں ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اس طرح عبدل نے صنفی تجربہ کی بنیاد رکھتے ہوئے ''قصیدہ نما مثنوی'' کا آغاز کیا۔

پروفیسر سیدہ جعفر نے ''دکنی قصیدے'' کتاب کے ذریعہ بہمنی سلطنت (گلبرگہ۔ بیدر) عادل شاہی سلطنت (بیجاپور) اور قطب شاہی سلطنت (گولکنڈہ) کے شاعروں کے قصائد کا جائزہ لیا ہے۔ دکن میں اورنگ زیب عالمگیر کے دور کے قصائد بھی دستیاب ہیں۔ سالار جنگ میوزیم لائبریری، اسٹیٹ مینوسکرپٹ لائبریری اور ادارۂ ادبیات اُردو کے شعبۂ مخطوطات میں ''مدحیہ قصائد'' کی کمی نہیں۔ دکنی شاعروں میں امین گجراتی اور معظم بیجاپوری نے ارادہ کے ساتھ ''نعتیہ قصائد'' لکھ کر قدیم دور سے ہی نعتیہ قصیدہ کی روایت کا ثبوت پیش کیا۔ آصف جاہی سلطنت کے قیام کے بعد جن شاعروں نے ''نعتیہ قصائد'' لکھنے کی طرف توجہ دی ان میں اسد علی خاں تمنا بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ ڈاکٹر ابو محمد سحر نے ''اُردو میں قصیدہ نگاری'' اور ڈاکٹر

www.urduacademyts.com

جذبہ رکھنے والے شاعروں نے محسوس کیا کہ ساری دنیا کے لیے رحمت اللعالمین ﷺ بنا کر بھیجے جانے والے اللہ کے سب سے قریب ترین بندے کی سیرت اور کارناموں کو قصیدہ میں بیان کر کے اجر بھی حاصل کیا جائے اور اس کے ساتھ ہی شاعرانہ فن کے جوہر بھی دکھائے جائیں۔ اسی خصوصیت کے پس منظر میں ''نعتیہ قصیدہ'' کی روایت پروان چڑھی۔ عربی زبان میں ''قصیدہ بردہ'' مکمل طور پر سیرت النبی کے منظوم بیان کا درجہ رکھتا ہے۔ دکن کے نامور شاعر احمد علی شائق کے دیوان میں ''نعتیہ قصیدہ'' کی روایت موجود ہے اور قصیدہ کے اس طرز کو مقبولیت دلانے میں محسن کاکوروی کا قصیدہ ''مدیح خیر المرسلین'' اپنی انفرادیت رکھتا ہے۔

نعتیہ قصیدہ مکمل طور پر سیرت النبی ﷺ، سے متعلق مکی و مدنی واقعات اور روحانیاتِ رسول ﷺ کے علاوہ آپ ﷺ کی پاک اور مطہر زندگی کو شعری حسن میں بیان کرنے کا ایسا انداز ہے جس میں مدح ہی مدح کو دخل ہوتا ہے۔ محسن کاکوروی کے نعتیہ قصیدہ کا کمال یہی ہے کہ انہوں نے مدح کے بیان کے لیے جو تشبیب باندھی ہے۔ اس میں کفرستان کی سرزمین یعنی سمتِ کاشی و متھرا سے بادل کے گزرنے، نعت کا تحفہ پیش کرنے اور گنگا جل بجلی کے کندھے پر سوار ہو کر بارگاہِ نبوی ﷺ میں پہنچنے کا ذکر کر کے شاعر نے اندھیرے اور تاریکی کی ''تشبیب'' باندھی ہے۔

محمود الٰہی نے ''اُردو میں قصیدہ نگاری کا تنقیدی جائزہ'' کے ذریعے دکنی قصائد کے ساتھ ساتھ شمالی ہند کے قصائد کا بھی ذکر کیا ہے۔

اُردو کے مورخین، ناقدین اور مرتبین نے عام طور پر اُردو و قصیدے کے فن اور تاریخ کے علاوہ قصیدہ نگاروں کے کارناموں پر تحقیقی کام انجام دیئے۔ اس خصوص میں شیخ چاند کا تحقیقی مقالہ ''سودا'' اہمیت کا حامل ہے اُردو کے کسی بھی محقق اور مرتب نے ''نعتیہ قصیدہ'' کے تاریخی پس منظر کا جائزہ نہیں لیا۔ بنیادی طور پر مرزا محمد رفیع سودا، شیخ ابراہیم ذوق، مرزاء غالب، منیر شکوہ آبادی، امیر مینائی اور علی حیدر نظم طباطبائی کو اُردو کے نامور قصیدہ گو شاعر کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ جنہوں نے قصیدہ کے فن کو بامِ عروج تک پہنچا دیا لیکن ''نعتیہ قصیدہ'' گو شاعروں کا اجمالی جائزہ پیش نہیں کیا۔ وقت کی ضرورت ہے کہ اُردو کے نعتیہ قصائد اور نعتیہ قصیدہ گو شعراء کی تاریخ اور فن کا احاطہ کیا جائے۔ دورِ حاضر میں قصیدہ ایک مرحوم صنف کا درجہ حاصل کر چکی ہے۔ جس کے بدلے میں تہنیتی نظمیں، تہنیتی قطعات، سہرے اور وداعی یا پھر رخصتی لکھنے کا چلن عام ہو گیا ہے۔ اس کے باوجود نعتیہ قصیدہ کی اپنی فنی روایت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

نعتیہ قصیدہ کی روایت دکن سے شروع ہو کر دہلی تک پہنچی اور دہلی سے لکھنو ہوتی ہوئی رامپور اور بھوپال سے حیدر آباد پہنچی۔ دورِ حاضر میں طویل نعتیہ قصائد کے بجائے مختصر نعتیہ نظمیں لکھنے کا رواج ہے جس میں طمطراق لہجے کی کمی پائی جاتی ہے جو کسی قصیدہ کا حقیقی وصف ہے۔

www.urduacademyts.com

انتخاب از

قصیدۂ مدیح خیر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

محسن کاکوروی

محسن کاکوروی (۱۸۲۶ء۔۱۹۰۵ء) کونعت گوئی میں کمال حاصل تھا، اِن کا کلام ''کلیاتِ محسن'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار ان کے نعتیہ قصیدے موسوم بہ ''قصیدۂ مدیح خیر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم'' مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کا انتخاب ہے۔ ان کی مثنوی ''چراغِ کعبہ'' مشہور نعتیہ مثنوی ہے۔ محسن کے کلام میں صنائع لفظی ومعنوی کا التزام ہوتا ہے انہیں زبان پر قدرت حاصل تھی۔ اور نئے نئے مضامین پیدا کرنے میں وہ بڑی کاوش کرتے تھے۔ ان کا کلام لکھنوی رنگِ شاعری کا عمدہ نمونہ ہے۔

قصیدے میں پہلے تشبیب کے اشعار ہوتے ہیں، تشبیب دراصل قصیدے کی تمہید ہے، جس میں قصیدہ نگار کو ہر قسم کے مضامین باندھنے کی آزادی ہوتی ہے۔ کوئی شاعر تمہید میں موسمِ بہار کا منظر کھینچتا ہے کوئی شکایتِ روزگار، کوئی اپنے علم وفضل کا بیان تو کوئی شباب کا ذکر کرتا ہے۔ مندرجہ ذیل قصیدے میں ایک سے سات تک اشعار تشبیب کے ہیں جن میں شاعر نے موسمِ باراں کا نقشہ کھینچا ہے۔

اس تشبیب کی خوبی یہ ہے کہ اس میں ہندوستانی عناصر ہیں۔ آپ نے یہ بھی پڑھا ہے کہ تشبیب کے بعد گریز کے اشعار ہوتے ہیں اور اس کے بعد شاعر مدح کرنے لگتا ہے۔ گریز کے اشعار میں شاعر تشبیب کے موضوع کو بدل کر مدح کے اشعار سے اس کا تعلق اس طرح پیدا کرتا ہے جیسے بات سے بات نکلی ہو۔ شاعر کو تشبیب کا مضمون انتخاب کرنے کی آزادی تو ہے لیکن اس کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنے منتخب موضوع اور مدح میں فطری اور منطقی تعلق ثابت کرے۔ اس لیے قصیدے میں گریز کی بڑی اہمیت ہے۔ زیرِ نظر قصیدے میں آخری پانچ اشعار گریز کے ہیں۔ اس کے بعد اصل مدح شروع ہوتی ہے، جو اس انتخاب میں شامل نہیں ہے۔ ✪✪✪

www.urduacademyts.com

سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

جوگیا بھیس کیے چرخ لگائے ہے بھبھوت
یا کہ بیراگی ہے پربت پہ بچھائے کمبل

شب کو مہتاب نظر آئے نہ دن کو خورشید
ہے یہ اندھیر مچائے ہوئے تاثیرِ زُحل

وہ دھواں دھار گھٹا ہے کہ نظر آئے نہ شمع
گرچہ پروانہ بھی ڈھونڈے اسے لَے لیے مشعل

نور کی پُتلی ہوئی پردۂ ظلمت میں نہاں
چشمِ خورشیدِ جہاں بیں میں ہیں آثارِ سُبل

آتشِ گل کا دھواں بامِ فلک تک پہنچا
جم گیا منزلِ خورشید کی چھت میں کاجل

ابر بھی چل نہیں سکتا وہ اندھیرا گھپ ہے
برق سے رعد یہ کہتا ہے کہ لانا مشعل،

جس طرف سے گئی بجلی پھر ادھر آ نہ سکی،
قِلعۂ چرخ میں ہے بُھول بُھلیّاں بادل

www.urduacademyts.com

لہریں لیتا ہے جو بجلی کے مقابل سبزہ
چرخ پر باولا پھیلا ہے زمیں پر مخمل

کیا جنوں خیز ہے لکھنے میں صریرِ نے کِلک
کہ سیاہی سے ہے ہر حرف کو سودا کا خلل،

ہے سخن گو کو نہ انشاء کی نہ املا کی خبر
ہوگئی تنظم کی انشا و خبر سب مہمل

روئے معنیٰ ہیں بہکنے میں بھی اعلیٰ کی طرف
تاکتا ہے تو ثریّا کی سنہری بوتل

ایک ذرا دیکھیے کیفیتِ معراجِ سخن
ہاتھ میں جامِ زُحل شیشۂ مہ زیرِ بغل

گرتے پڑتے ہوئے مستانہ کہاں رکھّا پاؤں
کہ تصوّر بھی وہاں جا نہ سکے سر کے بل،

یعنی اس نور کے درمیاں میں پہنچا کہ جہاں
خرمنِ برقِ تجلّی کا لقب ہے بادل

---

www.urduacademyts.com

شخصی مرثیہ

آج کی اُردو شاعری میں کسی اہم شخصیت کی موت پر لکھے جانے والے کلام کو ''شخصی مرثیہ'' کا نام دیا جاتا ہے۔ کسی اہم شاعر، ادیب، سماجی کارکن، مصلح، سیاست داں اور صاحب حیثیت شخصیت کا انتقال ہو جائے اور جس سے شاعر کے خصوصی و ذاتی تعلقات ہموار رہوں، اس کی موت پر لکھی جانے والی شاعری ''شخصی مرثیہ'' کہلاتی ہے۔ اُردو ادب میں حضرت امام حسینؓ کی شہادت اور کربلا کے میدان میں درپیش واقعات کو بنیاد بنا کر جس قسم کی شاعری لکھی گئی۔ اسے ''کربلائی مرثیہ'' کا درجہ دیا گیا۔ میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ اس انداز کے مرثیے لکھنے کے لیے حد درجہ مشہور ہیں۔ برج نرائن چکبست نے رام چندر جی کے بن باس کے دوران مصیبتوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ''ہندوی مرثیہ'' لکھا جبکہ مومن خاں مومن اور مرزا غالب نے اُردو میں شخصی مرثیہ کی بنیاد رکھی۔ مومن نے اپنی محبوبہ کے انتقال پر اور مرزا غالب نے اپنے لے پالک عارف کی رحلت پر جو مرثیہ ''مرثیہ عارف'' لکھا اُسے ''شخصی مرثیہ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ کسی اہم شخصیت سے کوئی تعلق نہ ہو لیکن ان کے کارناموں کی بنیاد پر اُن کی رحلت پر شاعری پیش کی جائے تو اسے ''وفاتیہ'' کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اُردو میں کربلائی مرثیے، ہندوی مرثیے اور شخصی مرثیے کے علاوہ وفاتیہ کی روایت آج بھی موجود ہے۔ ✪✪✪

شخصی مرثیہ کا فن

شخصی مرثیہ درحقیقت ایک تعزیتی نظم ہوتی ہے جس میں کسی کی موت پر افسردگی کا اظہار کرتے ہوئے شاعرانہ حسن کاری کے ساتھ افسوس کا رویہ اختیار کیا جاتا ہے۔ شخصی مرثیہ میں نہ تو کربلائی مرثیہ کے اجزائے ترکیبی یعنی ۱۔ چہرہ ۲۔ سراپا ۳۔ رخصتی ۴۔ رجز ۵۔ جنگ

تاریخی جائزہ

مذہبی، ادبی، سیاسی اور معاشرتی سطح پر جو اشخاص عمدہ کارکردگی کا مظاہرہ کر کے اس دنیا سے گذر جاتے ہیں ان کی یاد کو جاری رکھنے کے لیے شاعر اپنے کلام کے ذریعہ خراج عقیدت پیش کرتا ہے ایسی شاعری ''شخصی مرثیہ'' کے ضمن میں آتی ہے۔ کسی اہم شخصیت کی موت پر آنسو بہانے کی روایت قدیم دور سے چلی آرہی ہے۔ قریبی رشتہ

www.urduacademyts.com

۶۔شہادت ۷۔ بین و بکاء اور ۸۔ دعا کا طریقہ اپنایا جاتا ہے اور نہ ہی ان اجزائے ترکیبی کے کسی حصہ کو شاعری کا وسیلہ بنایا جاتا ہے بلکہ سیدھے سادھے انداز میں افسردگی کے جذبات کا اظہار شاعری کے روپ میں کیا جائے تو یہ انداز ''شخصی مرثیہ'' کی دلیل بنے گا۔

شخصی مرثیہ کے لیے ہئیت کا تعین بھی نہیں عام طور پر کربلائی مرثیہ اور ہندوی مرثیہ کے لیے مسدس یعنی چھ مصرعوں کی ہئیت مقرر ہے۔ اُردو کے جن شعراء نے ''شخصی مرثیے'' لکھے ہیں انہوں نے اس طرزِ شاعری کے لیے مختلف ہئیتوں کے طریقے اختیار کیے۔ عام طور پر غزل کی ہئیت یا پھر قصیدے کے طرز میں شخصی مرثیے لکھے گئے۔ بعض شاعروں نے نظم کی طرح ایک ایک بند پر مشتمل شخصی مرثیے لکھے۔ مرزا غالب کا لکھا ہوا ''مرثیۂ عارف'' غزل کی ہئیت کی نمائندگی کرتا ہے جبکہ اپنے استاد مرزا غالب کی موت پر مولانا حالؔی نے ''مرثیۂ غالب'' لکھا تو نظم کے بند کے رویے کو اختیار کیا۔ حالی کی موت پر 'مرثیہ حالی' لکھ کر صفی لکھنوی نے مسدس کی ہئیت کی نمائندگی کی۔ سیماب اکبرآبادی، عرش ملسیانی اور مخمور سعیدی نے ٹیپو سلطان، بہادر شاہ ظفر اور مہارانی جھانسی پر جو تعزیتی شاعری لکھی، اس میں شاعری کے مختلف انداز کارفرما ہیں۔ جیسا کہ بتایا جاچکا ہے کہ رشتہ داری، تعلقات اور ربط و تعلق رکھنے والے شخص کی موت پر لکھی جانے والی شاعری داروں، ماں باپ، بھائی بہن اور تعلقات رکھنے والوں کی موت کا سانحہ ہر لحاظ سے شاق گذرتا ہے اور اس سانحہ سے متاثر ہوکر شخصی مرثیہ لکھا جاتا ہے۔ انسان دوستی کا تقاضہ یہی ہے کہ ہر فنکار کی تعظیم کی جائے۔ کسی زمانے میں شاعر، ادیب، مصور یا اہم شخصیت کا وصال ہوجائے تو قطعہ بند یا قطعہ تاریخ لکھ کر شاعری میں صاحبِ شخصیت کی خدمات کا اعتراف کیا جاتا تھا۔ ایک اعتبار سے ''شخصی مرثیہ'' ایک قسم کا شاعرانہ تعزیت نامہ ہے۔ اس قسم کے تعزیت ناموں کی شعری روایت بھی دکن سے وابستہ ہے، قدیم شعراء اپنے استاد محترم، صوفیا، پیر طریقت اور اہلِ ذوق اپنے عمائدین، سلاطین اور بزرگوں کی رحلت پر کلامِ موزوں کرتے تو ایسا کلام ''شخصی مرثیہ'' کہلاتا تھا۔ دکن کے بیشتر شعراء نے اس روش کو اختیار کیا چنانچہ بہمنی دور (گلبرگہ اور بیدر) عادل شاہی دور (بیجاپور) اور قطب شاہی دور (گولکنڈہ) ہی نہیں بلکہ مغلیہ دور (اورنگ آباد) اور آصف جاہی دور (اورنگ آباد۔ حیدرآباد) کے ادب دوستوں نے ایسے شعری تعزیت ناموں کو پروان چڑھایا۔ جس کی وجہ سے ''شخصی مرثیہ'' کا آغاز ہوا۔ دکنی شاعروں نے جتنے بھی ''شخصی مرثیہ'' لکھے ان میں وفاتیہ اور شخصی مرثیہ کا امتیاز نہیں تھا۔

اُردو ادب کی تاریخ میں کربلائی مرثیہ کی دھوم رہی۔ دکنی شاعروں نے پیرانِ طریقت کی مدح میں ''منقبتیں'' لکھیں۔ تحقیق کرنے پر دکنی دور کے ''شخصی مرثیہ'' دریافت ہوسکتے ہیں۔ کربلائی مرثیہ کی اہمیت کی وجہ سے شخصی مرثیہ پر توجہ نہیں دی جاسکی۔ بلاشبہ ''شخصی مرثیہ'' کی روایت دکنی شاعروں کے کلام میں موجود ہے لیکن اس طرز شاعری کو جدید دور سے وابستہ کیا جاتا ہے۔ غالبؔ کے آخری عہد میں شخصی مرثیہ کی روایت کو فروغ حاصل ہوا۔ غالبؔ کے عہد کے بعد دہلی اور لکھنو کے بے شمار شاعروں نے ''شخصی مرثیہ''

www.urduacademyts.com

''شخصی مرثیہ'' کہلاتی ہے۔ غالبؔ نے اپنے لے پالک اور حالی نے اپنے استاد کی رحلت پر ''شخصی مرثیے'' لکھے۔ رشتہ داری اور تعلقات نہ ہوں اور ناموری کی اساس پر کسی شخص کی موت پر جو شاعری کی جائے گی وہ شخصی مرثیہ نہیں بلکہ ''وفاتیہ'' کہلائے گی۔ سیماب اکبرآبادی، عرش ملسیانی اور مخمور سعیدی نے ہندوستانی نامور شخصیتوں پر ''وفاتیہ'' لکھے۔ اسی طرح مجاز کی نظم ''مرثیہ گاندھی'' اور پنڈت نہرو کی وفات پر علی سردار جعفری کی نظم ''صندل وگلاب کی راکھ'' کو بھی ''وفاتیہ'' قرار دیا جائے گا۔ اس کے بجائے اپنی اہلیہ صفیہ اختر کی موت پر جاں نثار اختر نے جو نظم ''خاموش آواز'' لکھی اسے بلاشبہ ''شخصی مرثیہ'' کہا جائے گا۔ اقبال کی نظم ''والدہ مرحومہ کے نام'' شخصی مرثیہ ہے جبکہ ان کی نظمیں ''غالب'' اور ''سرسید کی لوح تربت'' کو بلاشبہ ''وفاتیہ نظموں'' میں شمار کیا جائے گا۔

اُردو شاعری میں شخصی مرثیہ کی صنف اس قدر مقبول ہوگئی ہے کہ کسی نقاد اور استادِ فن نے ابھی تک شخصی مرثیہ اور وفاتیہ کے فرق کو واضح نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ کسی بھی شخص کی موت پر لکھی جانے والی شاعری کو شخصی مرثیہ کے ضمن میں شمار کیا جاتا ہے۔ دور حاضر کو فن میں یکتائی کا دور کہا جاتا ہے۔ اسی لیے شخصی مرثیہ سے نمودار ہونے والی مزید ایک انداز کی شاعری کو ''وفاتیہ'' کی حیثیت سے قبول کیا جانا چاہیے۔

کی طرف توجہ دی۔ ترقی پسند تحریک کے زیر اثر بے شمار شاعروں نے ''شخصی مرثیے'' لکھے، برج نرائن چکبست، حسرت موہانی، تلوک چند محروم، علامہ اقبال، سیماب اکبر آبادی، اسرار الحق مجاز، جوش ملیح آبادی، مخمور سعیدی، راہی معصوم رضا، اثر لکھنوی، آنند نارائن مُلا، ساحر لدھیانوی، روش صدیقی، سردار جعفری، مخدوم، کیفی اعظمی، اختر انصاری اور اعجاز صدیقی کے شخصی مرثیے شہرت کے حامل ہیں۔ دور حاضر میں شخصی مرثیے اور وفاتیے لکھنے کی روایت عام ہے۔ شخصی مرثیہ کی روایت میں مولانا حالی کا لکھا ہوا ''مرثیۂ غالب'' اہمیت کا حامل ہے۔ ممکن ہے کہ مستقبل قریب میں وفاتیہ کو بھی صنف شاعری کی حیثیت سے تعارف کروایا جائے۔

آج کا دور چونکہ جمہوری دور ہے اور جمہوریت میں ہر مذہب اور ذات وفرقہ کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ اس لیے جمہوری طرز کے شروع ہونے سے قبل علامہ اقبال نے ''شخصی مرثیہ'' اور ''وفاتیہ'' کی روایت کے فروغ میں حصہ لیا۔ علامہ اقبال کی شاعری میں شخصی مرثیوں کا جس قدر تنوع ہے، ایسا انداز کسی اور شاعر کے کلام میں دکھائی نہیں دیا۔ اقبال نے گرونانک، رامچندر جی، لینن اور دوسری اہم اور عالمی سطح پر مذہب اور سیاست کی وجہ سے مشہور شخصیتوں پر جہاں ''وفاتیے'' لکھے۔ وہیں اپنے عہد کی نامور شخصیتوں پر شخصی مرثیے بھی لکھے۔ علامہ اقبال کے شخصی مرثیہ کا تنوع سکندر علی وجدؔ کے کلام ''جمال اجنتا، جلال ہمالہ'' میں بھی دکھائی دیتا ہے۔ غرض دور حاضر کا ہر شاعر شخصی مرثیہ اور وفاتیے لکھ کر مرحومین کو خراج تحسین پیش کرنے کا حق ادا کررہا ہے۔

www.urduacademyts.com

مرثیۂ غالب

خواجہ الطاف حسین حالؔی

خواجہ الطاف حسین حالؔی (۱۸۳۷ء۔۱۹۱۴ء) اُردو میں نیچرل شاعری کے بانی مبانی ''مقدمۂ شعروشاعری'' لکھ کر اُردو کے اولین نقاد قرار پائے۔ ''مسدس حالؔی'' میں مسلمانوں کے عروج وزوال کو نظم کر کے اُردو میں پہلی طویل نظم کی بنیاد رکھی۔ یادگارِ غالب، حیاتِ سعدی اور حیاتِ جاوید کے توسط سے اُردو نثر میں پہلی مرتبہ ''سوانح نگاری'' کی شروعات کی۔ غرض خواجہ الطاف حسین حالؔی مرحوم جامع الکمالات شخصیت کے حامل شاعر اور ادیب تھے۔ نثر اور نظم دونوں میں کمال حاصل تھا۔ شاعری کی جس انداز سے خدمت کی اس سے زیادہ کہیں اُردو نثر کو حقیقت اور سادگی سے وابستہ کیا۔ ۱۸۷۴ء میں انجمن پنجاب لاہور کے مشاعروں سے اُردو میں نیچرل شاعری کا آغاز کیا۔ غزل میں حسن وعشق کے معاملات کے بجائے زندگی کی حقیقتوں کو شامل کر کے نئی غزل کی بنیاد رکھی۔ قدرتی مناظر پر نظمیں اور عصر حاضر کے مسائل پر مثنویاں حبِ وطن، چپ کی داد اور بیوہ کی مناجات لکھیں۔ شاعری کو اصلاحِ معاشرہ کے لیے استعمال کرتے ہوئے ایسے کلام کی پیشکشی پر توجہ دی جو دلوں کو گرمانے کے ساتھ ساتھ روح کو تازگی بخشنے کا کام کرے۔ ان کی غزلیں، نظمیں، رباعیات اور قطعات کے علاوہ ''شخصی مرثیہ'' نگاری بھی منفرد ہے۔ مرزا غالب سے ارادت اور سرسید سے بے انتہاء انسیت رکھتے تھے۔ سرسید جیسے فطری نثر نگار کی موت پر انہوں نے سوانح ''حیاتِ جاوید'' لکھی اور مرزا غالبؔ جیسے استادِ فن شاعر کی رحلت پر ''مرثیۂ غالب'' موزوں کیا۔ ''مرثیہ غالب'' کا اقتباس ''شخصی مرثیہ'' کی روشنی میں مطالعہ کے لیے پیش ہے۔ ✪✪✪

کیا کہوں حالِ دردِ پنہانی　　وقت کوتاہ قصۂ طولانی

عیش دنیا سے ہوگیا دل سرد　　دیکھ کر رنگ عالمِ فانی

کچھ نہیں جز طلسمِ خواب و خیال　　گوشۂ فقر و بزمِ سلطانی

ہے سراسر فریب وہم گماں　　تاجِ فغفور و تختِ خاقانی

www.urduacademyts.com

بے حقیقت ہے شکلِ موجِ سراب　　جامِ جمشید و راحِ ریحانی
لفظ مہمل ہے نطق اعرابی　　حرف باطل ہے عقل یونانی
ایک دھوکا ہے لحنِ داؤدی　　اک تماشا ہے حسنِ کنعانی
نہ کروں تشنگی میں تر لب خشک　　چشمۂ خضر کا ہو گر پانی
لوں نہ اک مشتِ خاک کے بدلے　　گر ملے خاتمِ سلیمانی

بحرِ ہستی بجز سراب نہیں
چشمۂ زندگی میں آب نہیں

جس سے دنیا نے آشنائی کی　　اس سے آخر کو کج ادائی کی
تجھ پہ پھولے کوئی عبث اے عمر　　تو نے کی جس سے بے وفائی کی
ہے زمانہ وفا سے بیگانہ　　ہاں قسم مجھ کو آشنائی کی
یہ وہ بے مہر ہے کہ ہے اس کی　　صلح میں چاشنی لڑائی کی
ہے یہاں حظِّ وصل سے محروم　　جس کو طاقت نہ ہو جدائی کی
ہے یہاں حفظِ وضع سے مایوس　　جس کو عادت نہ ہو گدائی کی
خندۂ گل سے بے بقا تر ہے　　شان ہو جس میں دل ربائی کی
جنس کا سد سے ناروا تر ہے　　خوبیاں جس میں ہوں خدائی کی
بات بگڑی، رہی سہی افسوس　　آج خاقانی و سنائی کی

رشک عرفی و فخرِ طالب مرد
اسد اللہ خان غالبؔ مرد

بلبلِ ہند مرگیا ہیہات　　جس کی تھی بات بات میں اک بات
نکتہ داں، نکتہ سنج، نکتہ شناس　　پاک دل، پاک ذات، پاک صفات

www.urduacademyts.com

شیخ اور بذلہ سنج، شوخ مزاج — رند اور مرجعِ کرام و ثقات
لاکھ مضمون اور اس کا ایک ٹھٹھول — سو تکلف اور اس کی سیدھی بات
دل میں چبھتا تھا وہ اگر بمثل — دن کو کہتا دن اور رات کو رات
ہوگیا نقش دل پہ جو لکھا — قلم اس کا تھا اور اس کی دوات
تھیں تو دلی میں اس کی باتیں تھیں — لے چلیں اب وطن کو کیا سوغات
اس کے مرنے سے مر گئی دلّی — خواجہ نوشہ تھا اور شہر برات
یاں اگر بزم تھی تو اس کی بزم — یاں اگر ذات تھی تو اس کی ذات

ایک روشن دماغ تھا نہ رہا
شہر میں اک چراغ تھا نہ رہا

دل کو باتیں جب اس کی یاد آئیں — کس کی باتوں سے دل کو بہلائیں
کس کو جاکر سنائیں شعر و غزل — کس سے دادِ سخن وری پائیں
مرثیہ اس کا لکھتے ہیں احباب — کس سے اصلاح لیں کدھر جائیں
پست مضموں ہے نوحۂ استاد — کس طرح آسماں پہ پہنچائیں
لوگ کچھ پوچھنے کو آئے ہیں — اہل میّت جنازہ ٹھہرائیں
لائیں گے پھر کہاں سے غالبؔ کو — سوئے مدفن ابھی نہ لے جائیں
اس کو اگلوں پہ کیوں نہ دیں ترجیح — اہل انصاف غور فرمائیں
قدسی وصائب و اسیر و کلیم — لوگ جو چاہیں ان کو ٹھہرائیں
ہم نے سب کا کلام دیکھا ہے — ہے ادب شرط منھ نہ کھلوائیں

غالبؔ نکتہ داں سے کیا نسبت
خاک کو آسماں سے کیا نسبت

www.urduacademyts.com

موضوعاتی نظم

کسی فطری، قدرتی، سائنسی، سماجی، معاشرتی، نفسیاتی یا پھر ادبی موضوع کو بنیاد بنا کر شاعر اپنے خیالات کو نظم کرتا ہے تو ایسی شاعری ''موضوعاتی نظم'' کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔ دنیا کا ہر موضوع نظم کا حصہ بن سکتا ہے۔ اُردو کے شاعروں نے بے شمار موضوعات کا احاطہ کرتے ہوئے نظمیں لکھیں۔ اس قسم کی نظموں میں پابند شاعری کا انداز بھی کارفرما ہے اور بعض شاعروں نے مثلث، مربع، مخمس اور مسدس کی ہیئتوں کو بھی استعمال کیا ہے۔ بعض شعراء نے ترکیب بند، ترجیع بند اور مستزاد کے انداز میں بھی موضوعاتی نظمیں لکھیں۔ موضوعاتی نظم لکھنے کے لیے آزاد نظم، معریٰ نظم اور نثری نظم کے پیرائے بھی اختیار کیے گئے۔ اس کے علاوہ دوسری زبانوں نے اُردو شاعری میں جن اصناف کو قبول کیا جیسے سانیٹ، ترائیلے، گیت، ماہیا، دوہا، ہائیکو وغیرہ میں بھی موضوعاتی نظموں کا چلن عام ہو رہا ہے۔ موجودہ دور کی سیاسی بدحالی، دہشت گردی، کردار کشی اور جنسی معاملات پر بھی موضوعاتی نظمیں لکھنے کا رواج عام ہو رہا ہے۔ اس طرح دورِ حاضر میں اُردو شاعری کے توسط سے ''موضوعاتی نظم'' کو مقبولیت حاصل ہوتی جا رہی ہے۔ ✪✪✪

بنیادی ڈھانچہ

دنیا ایک ایسی جگہ ہے جہاں قدرتی طور پر موجود چیزوں کے نام علاحدہ ہیں اور انسان نے اپنی سوچ اور فکر سے جو جو چیزیں بنائیں، ان کے نام الگ ہیں۔ حتیٰ کہ انسان کو فائدہ اور نقصان پہنچانے والی چیزوں کے نام اور اس کے کام کرنے سے پیدا ہونے والی تبدیلیوں کے نام بھی مختلف ہیں۔ ان تمام

تاریخی پس منظر

اُردو شاعری کو موضوعات سے وابستہ کرنے کا رجحان ازل سے چلا آ رہا ہے۔ بہمنی دور کی مثنویوں سے لے کر قطب شاہی اور عادل شاہی دور میں لکھی جانے والی بے شمار مثنویوں میں بنیادی موضوع ''حسن و عشق'' رہا لیکن ان کے ساتھ ہی کئی ذیلی اور ثانوی موضوعات کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ قدیم دکنی مثنویوں میں حسن و عشق کے موضوعات کے علاوہ اخلاق پسندی، ہمدردی، انسان دوستی اور صبر و تحمل کو موضوع کا درجہ دے کر شاعری کی جاتی رہی۔ دکنی مثنویوں

www.urduacademyts.com

بصری، سمعی، لمسی اور ارادی وغیر ارادی طور پر وجود میں آنے والی چیز کو موضوع کہا جاتا ہے۔ موضوعات واضح بھی ہوسکتے ہیں اور اوجھل بھی۔ ان موضوعات کا تعلق مذہبیات، روحانیات، عمرانیات اور نفسیات سے بھی ہوسکتا ہے۔ ایسے ہی کسی موضوع کو عنوان بنا کر شعر گوئی کی جائے تو اسے ''موضوعاتی نظم'' کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔

علم عروض کے اعتبار سے وزن، بحر، قافیہ، ردیف اور اسلاف کے بتائیے ہوئے تمام اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے کوئی نظم لکھی جائے اسے ''پابند نظم'' کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ اگر کوئی شاعر نظم نگاری کے دوران قدرتی مناظر کی عکاسی کی جانب متوجہ ہو تو ایسی شاعری ''نیچرل نظم'' کہلائے گی۔ وطن دوستی اور وطن کی چیزوں کا دم بھرتے ہوئے ساری نظم میں حب الوطنی کو شامل کیا جائے تو ایسی نظم ''وطنی نظم'' کے عنوان سے یاد کی جائے گی۔ قوم، ملک وملت کی تعریف وتوصیف جس نظم میں اپنا جلوہ دکھائے اس قسم کی نظم کو ''قومی نظم'' کا موقف حاصل ہوگا۔ رنگین خیالات اور حسن وعشق کی نمائندگی کرتے ہوئے ساری نظم میں رنگین ماحول کا سماں باندھا جائے تو ایسی نظم ''رومانی نظم'' کی حیثیت سے شناخت کی جائے گی۔ انسانوں میں حرکت کا جذبہ پیدا کرنے اور حریت کے جذبات کو جگانے کے لیے لکھی جانے والی شاعری ''انقلابی نظم'' کا درجہ حاصل کرلے گی۔

میں ''شہر نامہ'' یعنی کسی شہر کی تعریف جیسے نصرتی نے بیجاپور اور ولی نے ''شہر سورت'' کی تعریف کے ذریعہ موضوعاتی نظم کی روایت کو مستحکم کیا۔ دکنی دور میں آصف جاہی سلطنت کے آغاز تک شاعری میں موضوعات کا تنوع موجود نہیں تھا لیکن رفتہ رفتہ زندگی کے تقاضوں کے اعتبار سے شاعری کے موضوعات میں بھی رد و بدل پیدا ہوا۔ بہمنی، عادل شاہی، قطب شاہی، مغل دور اور آصف جاہی دور تک اُردو شاعری موضوعات کی یکسانیت کا شکار رہی۔ شمالی ہند میں بھی دبستانِ دہلی اور دبستان لکھنو کے ذریعہ شاعری کا رجحان یکساں موضوعات کی طرف مائل رہا۔

مشرقی شعریات اور ایشیائی تہذیب و ثقافت کے نتیجے میں اُردو شاعری کے موضوعات اخلاق، تہذیب، روحانیت اور رسم و رواج کی حد تک محدود رہے۔ جب ہندوستان میں انگریزوں کی ترقیات اور ایجادات کا سیلاب آیا اور شاہی کے علاوہ سرمایہ داری نظام اور جاگیرداری رسم و رواج پر زوال آیا تو موضوعاتی رویوں میں تبدیلی رونما ہوئی۔ دکن میں سب سے پہلے قطب شاہی سلطنت کے چھٹے بادشاہ سلطان محمد قلی قطب شاہ نے غزل کی ہیئت میں شاعری کرتے ہوئے موضوعات کی تبدیلی پر توجہ دی چنانچہ اس نے ہولی، دیوالی، بسنت، عید الفطر، عید نہم، نو روز، شاہی محلات اور دربار سے وابستہ پیاریوں پر شاعری لکھ کر اُردو شاعری کے موضوعات میں وسعت پیدا کی۔ جس کے بعد ولی محمد نظیر اکبر آبادی کی شاعری میں موضوعات کا تنوع دکھائی دیتا ہے۔ محمد قلی قطب شاہ اور نظیر اکبر آبادی کی شاعری کے موضوعات ایک جیسے ہیں۔ اس لیے نظیر اکبر آبادی اُردو کے پہلے سماج پسند شاعر قرار دیئے گئے چونکہ انہوں نے سماجی موضوعات کو اپنی شاعری میں جگہ دی۔ نظیر اکبر آبادی کے بعد باضابطہ موضوعاتی شاعری کا آغاز ''انجمن پنجاب لاہور'' کے موضوعاتی مشاعروں سے ہوا۔ جہاں سب سے پہلے مولانا

www.urduacademyts.com

اقتدار اور ناحق پرستوں کی جانب سے ظلم و زیادتی کے نتیجہ میں شاعر اور تخلیق کار کو زباں بندی کا خوف ہوتا ہے لیکن سچائی کا اظہار بھی ضروری ہے ایسے وقت شاعر مختلف علامتیں مقرر کر کے سچائی کی پیروی کے لیے شاعری کرے تو اسے ''علامتی نظم'' کا موقف حاصل ہو جاتا ہے۔ غیر مساوی ارکان کے ساتھ شاعری میں ردیف اور قافیہ کی پابندی سے گریز برتا جائے لیکن شعری وزن کا لحاظ رکھا جائے تو ایسی نظم کو ''آزاد نظم'' کہا جائے گا۔ وزن، قافیہ، بحر اور ردیف سے بے نیاز شاعری ''معریٰ نظم'' کہلاتی ہے۔ جس میں مصرعہ بھی وزن سے عاری ہوتا ہے البتہ اگر کوئی قافیہ بے تکلفی سے بندھ جائے تو ہرج نہیں۔ اُردو میں موضوعاتی انداز میں نظمیں لکھنے کا رواج عام ہو گیا ہے اور آج کے دور میں ہر قسم کے موضوع کو کسی نہ کسی اظہار کا ذریعہ بنایا جا رہا ہے۔ نئے موضوعات کی عکاسی جدید نظم میں ہوتی ہے۔

اُردو شاعری میں ''نظم'' کی انفرادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ نثر میں جس طرح مضمون نگاری کو اہمیت حاصل ہوتی جا رہی ہے۔ اسی طرح شاعری میں نظم کو اہمیت حاصل ہے۔ ترقی یافتہ دور میں نئے انداز کی شاعری اپنی جگہ لیکن نظم اب بھی پابند شاعری میں لکھی جائے یا آزاد یا معریٰ ہئیت میں، اپنے اندر متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور اکیسویں صدی کو نظم کا دور قرار دیا جائے گا۔

حالی اور محمد حسین وآزاد نے موضوعات پر نظمیں لکھ کر مشاعرہ میں پڑھنے کی بنیاد رکھی۔ ۱۸۷۴ء کے بعد اُردو میں نیچرل شاعری کی شروعات ہوئی۔ اسی دور میں شبلی نعمانی اور ان کے ہمنوا مذہبی شاعری کے ذریعہ روایتی نظم کو فروغ دیتے رہے۔ اکبر الہ آبادی کی وجہ سے اُردو شاعری میں طنزیہ و مزاحیہ نظم کی بنیاد پڑی۔ اسی دوران رومانی تحریک کے عروج سے رومانی نظم کا دور دورہ رہا۔ ملک میں وطنی، قومی اور انقلابی نظم کے رجحانات پروان چڑھتے رہے۔ ۱۹۳۶ء میں ترقی پسند تحریک کے آغاز نے اُردو نظم کے موضوعاتی رویے میں بہت بڑی تبدیلی پیدا کی۔ انگریزی نظموں کے اُردو ترجموں کی وجہ سے نظم کے نئے رجحانات کے لیے سازگار ماحول پیدا ہوا۔ نادر کاکوروی، علی حیدر نظم طباطبائی، اسمٰعیل میرٹھی۔ ضامن کنتوری اور علامہ اقبال کی شاعری میں منظوم ترجموں کی روایت موجود ہے۔ انگریزی شاعری کے زیر اثر جس طرح اُردو میں نیچرل شاعری کا آغاز ہوا۔ اسی طرح علامتی نظم، آزاد نظم، معریٰ نظم اور جدید نظم کے موضوعاتی اظہار کا سلسلہ اُردو میں عام ہوا۔ کافرانہ، ملحدانہ، اشتراکی نظریات کے ساتھ ساتھ وحدانیت روحانیت اور یکجہتی کے رجحانات کو بھی اُردو نظم میں موزوں مقام حاصل ہوا۔ اُردو نظم آج ہمہ گیر مسائل اور امکانات سے مالا مال ہے جس میں سیاسی، معاشی، معاشرتی اور مذہبی ہی نہیں بلکہ ادبی معاملات اور مسائل کو بھی دخل ہے غرض اُردو کے شاعروں نے نظم نگاری کو فروغ دے کر اس شعری ذریعہ اظہار کی بیش بہا خدمت کی اور مستقبل میں نظم نگاری کے امکانات روشن ہیں۔

www.urduacademyts.com

روایتی نظم

شاعری کا ایسا انداز جس میں اخلاق، تہذیب اور روایات کا لحاظ کرتے ہوئے قدیم اصولوں کی پابجائی کی جائے اور شاعری کے تمام پرانے طریقوں کا لحاظ کیا جائے تو ایسی نظم کو ''روایتی نظم'' کا درجہ دیا جاتا ہے۔ فن کے پرانے طریقے اور اظہار کی قدیم روش کا پاس ولحاظ ''روایتی نظم'' میں رکھا جاتا ہے۔ اسلاف کی روایتوں اور قدما کے اختیار کردہ طریقوں کو بھی ''روایتی نظم'' میں اختیار کیا جاتا ہے۔ زبان، ادب، قواعد اور بلاغت کے علاوہ فصاحت کے تمام اصولوں کو ''روایتی نظم'' میں اختیار کیا جاتا ہے۔ علم عروض کا پاس ولحاظ بھی راویتی نظم کا حصہ ہے۔ اُردو کی قدیم ترین شاعری سے لے کر انیسویں صدی کے اختتام تک روایتی نظم کا دور دورہ رہا۔ قافیہ اور ردیف کا پاس ولحاظ، علم عروض کے ارکان اور اوزان کی پابندی اور الفاظ کی قدیم تراکیب اور بندش سے وابستگی کا رویہ روایتی نظم میں نمایاں نظر آتا ہے۔ علم وادب کی پرانی روش سے والہانہ وابستگی بھی روایتی نظم کا حصہ ہے۔ غرض ابتدائی دور سے لے کر انیسویں صدی کے وسط تک اُردو شاعری میں ''روایتی نظم'' کا دور دورہ رہا۔ اُردو کے شاعروں نے اسی روایتی نظم کے رویے کا پاس ولحاظ رکھتے ہوئے شاعری کی روایت کو آگے بڑھایا۔ روایتی نظم کے ابتدائی شاعروں میں مولانا حالی اور آزاد کا شمار ہوتا ہے۔ ان کے معاصر ہی نہیں بلکہ ان سے قبل اور ان کے بعد کے شعراء نے بھی ''روایتی نظم'' کے طرز کو برقرار رکھا ہے۔ فن وادب کی گذشتہ روایات سے انحراف نہ کرتے ہوئے انہیں عصری ادب اور فن پر منطبق کرنے کا نظریہ روایت پسندی کہلاتا ہے۔ جدید دور میں روایت پسندی کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے کیونکہ جدیدیت پسند فنکاروں نے روایت کے مطابق زندگی گزارنے کے بجائے موجودہ تیز رفتار زندگی کی بے جہتی اور وسعتوں کو شعروادب میں بیان کرنا شروع کیا۔ جس کی وجہ سے روایت پرستی میں تبدیلی واقع ہوئی اس طرح روایتی شاعری رفتہ رفتہ شعروادب کے پس منظر میں چلی گئی اور جدید نظم کا آغاز ہوا اس کے باوجود روایت اور روایتی نظم کا اپنا تاریخی پس منظر ہے اور اسی تاریخی پس منظر کو واضح کرنے اور روایت پسند شاعروں کے کلام سے واقفیت دلانے کے لیے ''روایتی نظم'' کو بھی نصاب میں جگہ دی جارہی ہے۔ اُردو کے روایت پرست شاعروں میں سے ایک اہم شاعر شبلی نعمانی کی نظم مطالعہ کے لیے پیش ہے۔ ✪✪✪

www.urduacademyts.com

روایتی نظم

اہل بیت اطہار کی زندگی

از: شبلی نعمانی

شبلی نعمانی (۱۸۵۷ء۔۱۹۱۴ء) اُردو کے شاعر، ادیب، سفرنامہ نگار، سیرت نگار، نقاد اور محقق کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں۔ ادب، تاریخ، سیرت اور سفرنامہ نگاری کی وجہ سے شہرت حاصل کی۔ سرسید کے نامور رفقاء میں شمار کیے جاتے رہے۔ موضع بندل ضلع اعظم گڑھ میں اپنے والد شیخ حبیب اللہ کے سایۂ عاطفت میں تربیت پائی۔ ۱۸ سال کے مختصر عرصہ میں منطق، فلسفہ، ادب، فقہ، تفسیر، حدیث شریف اور تاریخ میں دستگاہ حاصل کی۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد کچھ دن دیوانی عدالت کے امین رہے۔ سمیع اللہ خاں کی سفارش سے سرسید مرحوم نے کالج کی پروفیسری پر مقرر کیا۔ جہاں سولہ سالہ تک ملازمت انجام دی۔ علمی دنیا میں شہرت حاصل کی اور ۱۸۹۲ء میں سلطان ترکی کا ''تمغۂ مجیدیہ'' حاصل کیا۔ ۱۸۹۴ء میں حکومت برطانیہ کی طرف سے شمس العلماء کا خطاب عطا ہوا۔ اس وقت ان کی عمر صرف ۲۷ سال تھی۔ ۱۸۹۸ء میں سرسید کے انتقال کے بعد کالج سے سبکدوش ہوکر حیدرآباد کے سلسلۂ آصفیہ کے مصنفین کے شعبہ پر مامور ہوئے۔ ندوہ میں اپنی خدمات انجام دیں اور ۱۹۱۳ء میں وہاں سے سبکدوشی حاصل کر کے اعظم گڑھ میں ''دارالمصنفین'' کی بنیاد ڈالی۔ ۱۹۱۴ء میں وہیں وفات پائی۔ سیرت کی کتابوں میں المامون، الغزالی، الفاروق، سیرت النعمان اور سیرت النبی مشہور ہیں سوانحی کتابوں میں ''سوانح مولانا روم'' تنقیدی کتابوں میں شعرالعجم اور موازنۂ انیس و دبیر شامل ہیں۔ سفرنامہ روم و مصر و شام کے ذریعے ان کی سفرنامہ نویسی کے فن کا اندازہ ہوتا ہے۔ الکلام، علم الکلام کے علاوہ مکاتیب شبلی، مقالات شبلی اور رسائل شبلی شائع ہو چکے ہیں۔ شاعری کے دو دیوان کلیات شبلی (فارسی) اور کلیات شبلی (اُردو) شائع ہو چکے ہیں۔ اورنگ زیب عالمگیر پر اعتراضات کا مدلل جواب بھی لکھا۔ اُردو نثر اور شاعری میں یکساں مقبول شبلی نعمانی کی شاعری میں انسانیت، مذہب دوستی اور قوم پسندی کا جذبہ ملتا ہے۔ انہوں نے غزل کے بجائے نظم نگاری پر خصوصی توجہ دی۔ ✪✪✪

www.urduacademyts.com

افلاس سے تھا سیدۂ پاک کا یہ حال
گھر میں کوئی کنیز نہ کوئی غلام تھا!
گھِس گھِس گئی تھیں ہاتھ کی دونوں ہتھیلیاں
چکّی کے پیسنے کا جو دن رات کام تھا

سینہ پہ مشک بھر کے جو لاتی تھیں بار بار
گو نور سے بھرا تھا مگر نیل فام تھا
اٹ جاتا تھا لباسِ مبارک غبار سے
جھاڑو کا مشغلہ بھی جو ہر صبح و شام تھا

آخر گئیں جنابِ رسولِ خداؐ کے پاس
یہ بھی تھا اتفاق کہ واں اذنِ عام تھا
محرم نہ تھے جو لوگ تو کچھ کر سکیں نہ عرض
واپس گئیں کہ پاس حیا کا مقام تھا

پھر جب گئیں دوبارہ تو پوچھا حضور نے
کل کس لیے تم آئیں تھیں کیا خاص کام تھا
غیرت یہ تھی کہ اب بھی نہ کچھ منھ سے کہہ سکیں
(حیدر) نے اُن کے منھ سے کہا جو پیام تھا

ارشاد یہ ہوا کہ غریبانِ بے وطن
جن کا کہ صفۂ نبوی میں قیام تھا
میں اُن کے ہندوبست سے فارغ نہیں ہنوز
ہر چند اِس میں خاص مجھے اہتمام تھا

جو جو مصیبتیں کہ اب ان پر گذرتی ہیں
میں ان کا ذمہ دار ہوں میرا یہ کام تھا
کچھ تم سے بھی زیادہ مقدم ہے ان کا حق
جن کو کہ بھوک پیاس سے سونا حرام تھا

خاموش ہو کے سیدۂ پاکؓ رہ گئیں
جرأت نہ کر سکیں کہ ادب کا مقام تھا
یوں کی ہے اہلِ بیتِ مطہر نے زندگی
یہ ماجرائے دخترِ خیر الانامؐ تھا

www.urduacademyts.com

نیچرل نظم

قدرت میں موجودہ تمام مناظر اور معاملات کو شاعری میں پیش کیا جائے تو ایسی شاعری ''نیچرل نظم'' کہلاتی ہے۔ مظاہر قدرت کو شاعرانہ انداز میں بیان کرتے ہوئے شاعر اس طرز کے ذریعے خدا کی قدرت کے گن گاتا اور اس کا شکر گذار ہوتا ہے۔ اُردو میں نیچرل نظم کی روایت انجمن پنجاب لاہور کے زیر اثر کرنل ہالرائیڈ کے مشورہ پر اس وقت شروع ہوئی جبکہ اُردو کے دو اہم شعراء اور ادبا مولانا حالی اور محمد حسین آزاد نے نظم نگاری کے مشاعرے منعقد کیے جس کا سلسلہ ۱۸۷۴ء سے دراز ہوتا چلا گیا ہے۔ حالی اور آزاد کے بعد چکبست، سرور جہاں آبادی، نظم طباطبائی، نادر کاکوروی، علامہ اقبال اور دوسرے اہم شاعروں نے اس طرز شاعری میں اظہارِ خیال کیا۔ نیچرل شاعری اُردو بھی انگریزی شاعری کی دین ہے۔ بے شمار شاعروں نے انگریزی کی مشہور نیچرل نظموں کا اُردو میں ترجمہ کیا۔ آج بھی مختلف انداز اور مختلف ہیئتوں میں نیچرل نظم لکھنے کا سلسلہ عام ہے۔ فطرت میں موجود تمام مظاہر کائنات کا شاعری میں بیان ''نیچرل نظم'' کی دلیل ہے۔ مولانا حالی کے دور سے آج تک نیچرل شاعری کی روایت کا سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا ہے۔ فطرت میں واقع ہونے والے تمام مناظر اور ان سے پیدا ہونے والی روحانی اور جسمانی خصوصیت کو جس نظم میں نمایاں کیا جاتا ہے وہ نیچرل شاعری کہلاتی ہے۔ سادہ آنکھ سے دکھائی دینے والے تمام مناظر پر شاعروں نے اپنے خیالات اور نظریات کو شعری روایت کے ساتھ پیش کیا شعری اظہار، زبان کا لوچ کے علاوہ وسعت اور صفائی نمایاں ہونے لگی جس کی وجہ سے اُردو شاعری میں بہت بڑا انقلاب پیدا ہوا اور اس انقلاب کی وجہ سے اُردو شاعری روایتی موضوعات سے علیحدہ ہوکر جدید موضوعات سے ہم آہنگ ہوگئی۔ یہ پہلا تجربہ تھا جو اُردو شاعری میں انجمنِ پنجاب کے زیرِ اثر نمایاں ہوا اور اس نیچرل شاعری یا فطرت پسند شاعری کو ساری اُردو دنیا میں فروغ حاصل ہوا چنانچہ غزل گو شعراء بھی نیچرل شاعری کی طرف مائل ہوئے بلکہ بیشتر شعراء نے صرف اور صرف نیچرل شاعری کو ذریعہ اظہار بنا کر شہرت حاصل کی ایسے ہی اہم شعراء میں سرور جہاں آبادی کا شمار ہوتا ہے۔ ✪✪✪

www.urduacademyts.com

نیچرل نظم

''مرغابی''

از: سرور جہاں آبادی

سرور جہاں آبادی (۱۸۷۳ء۔۱۹۱۰ء) منشی درگا سہائے نام سرور تخلص اوران کے والد حکیم پیارے لال تھے۔ ۱۸۷۳ء میں بمقام جہاں آباد ضلع پیلی بھیت میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم جہاں آباد کے تحصیل اسکول میں حاصل کی۔ شعروسخن کا شوق بچپن سے رہا۔ مولوی کرامت حسین بہار سے اصلاح لی۔ ابتداء میں وحشت تخلص اختیار کیا لیکن بعد میں سرور تخلص کو پسند فرمایا۔ ان کی اہلیہ نے ایک سال کا بچہ چھوڑ کر داعی اجل کو لبیک کہا اور جب اس اکلوتے بچہ کا بھی انتقال ہوگیا تو اس صدمۂ جانکاں نے سرور کی طبعیت میں انقلاب برپا کردیا اور انہوں نے غم غلط کرنے کے لیے مہ نوشی کا سہارا لیا جو مرتے دم تک جاری رہا۔ سرور اُردو شاعری میں جدید طرز کے بانی سمجھے جاتے ہیں۔ انہوں نے سب سے پہلے اُردو شاعری میں جدید رنگ کی نمائندگی کی۔ انہیں فنافی الشعر کا درجہ حاصل تھا۔ ان کے تمام افعال، اقوال، حرکات وسکنات شعریت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ان کی شاعری کی سب سے بڑی خصوصیت جذبات نگاری اور درد واثر ہے۔ وہ اپنے رنگ میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ نیچرل شاعری میں کوئی ان کا ہمسر نہیں انہوں نے غزل، رباعی اور قطعات کا مجموعہ ''جامِ سرور'' اور نظموں کا مجموعہ''، ''خمخانۂ سرور'' چھوڑا ہے جس سے منتخب مشہور نیچرل نظم ''مرغابی'' پیش ہے۔ ✪✪✪

ڈھل گیا دن اور شبنم ہے زمیں پر قطرہ ریز — گوشۂ مغرب میں گلگوں ہے شفق سے آسماں

پڑ رہی ہیں دور تک سورج کی کرنیں زرد زرد — جا رہی ہے تو اکیلی شام کو اڑتی کہاں

●●●

www.urduacademyts.com

دیکھتا ہے کیوں عبث صیادِ سوئے آسماں
یاس کی نظروں سے تیری شوکتِ پرواز کو
ارغوان زار فلک کے منظرِ خوش رنگ نے
کردیا ہے اور دلکش تیرے نقشِ ناز کو

●●●

ڈھونڈتی پھرتی ہے کیا کوئی سہانا آبشار
یا کہ سرگرم تلاش دامنِ دریا ہے تو
یا کسی بحر تموج خیز کی ہے جستجو
یوں سکوتِ شام میں کیوں آسماں پیما ہے تو

●●●

تو جو سنگِ نشانِ جادہ و بے مرحلہ
کررہی ہے آسماں پر قطعِ طبقات ہوا
اڑسکے بے بدرقہ تو یہ کہاں تیری مجال
کوئی طاقت ہے مگر تیری مقررِ رہنما

●●●

اے سبک پرواز! تیری سرعتِ پرواز نے
طے کئے کتنے ہی دن بھر سرد طبقات نسیم
ہو کے واماندہ زمیں پر گر نہ شہپر جوڑ کر
شب کی ظلمت کا ہی گرچہ سر پہ طوفان عظیم

●●●

ہوچکی تیری مشقت ختم تجھ کو عنقریب
گرمیوں کا اک سہانا گھر ملے گا خوشگوار
گاتی ہوگی چھوٹی چڑیوں میں ہم آہنگی سی تو
اور نشیمن پر تیرے ہوگی نیساں کی بہار

●●●

ہوگئی غائب فضائے آسمان میں گرچہ تو
اور اب آنکھوں میں ہے تیرا تصور یادگار
میں نے سیکھا ہے سبق لیکن تری پرواز سے
ہے طریق زندگی میں تو میری آموز گار

●●●

منطقہ سے منطقہ تک اے سبک پرواز شوق
وسعتِ اوجِ فلک پر ہے جو تیرا راہبر
مجھ کو بھی لے جائے گا وہ منزل مقصود تک
جب کروں گا جادۂ ہستی سے میں تنہا سفر

---

www.urduacademyts.com

وطنی نظم

انسان جس سرزمین میں پیدا ہوتا ہے وہاں کے مقامات، موسم، جھاڑ، پہاڑ اور تاریخی وثقافتی ورثے کے علاوہ وہاں کے ذرے ذرے سے محبت کا دم بھرتے ہوئے جو شاعری کرتا ہے۔ اسے ''وطنی نظم'' کہا جاتا ہے۔ عام انداز میں وطن کی محبت کے گیت گانا ''وطنی نظم'' کی دلیل ہے۔ اس قسم کی شاعری میں جذباتی لگاؤ اور دلی محبت کو حب وطن سے وابستہ کیا جاتا ہے۔ دکنی مثنویوں کے دوران وطن سے محبت کے ترانے گائے گئے لیکن وطنی شاعری اور حب وطن کے جذبے کو انیسویں صدی میں فروغ حاصل ہوا۔ ہندوستان میں جب اس ملک کے سورماؤں نے آزادی کی تحریک چلائی تو اس کے پس منظر میں وطنی شاعری کو فروغ حاصل ہوا، اور مختلف شاعروں نے ''وطنیت'' کے فلسفہ کو اجاگر کیا۔ اُردو کے اولین وطنی نظم نگار مولانا حالی، محمد حسین آزاد اور شبلی نعمانی کی شاعری میں وطنی نظم کا رجحان جلوہ گر نظر آتا ہے۔ جس کے بعد برج نرائن چکبست۔ اکبر الہ آبادی، علامہ اقبال، حفیظ جالندھری، مولانا ظفر علی خاں جیسے شاعروں نے وطنی نظم کو فروغ دیا۔ آج بھی وطنی شاعری کا رجحان ہر شاعر کے کلام میں دکھائی دیتا ہے۔ ہئیت اور فن کی پابندی کے بغیر ہر طرز میں وطنی نظم لکھی جاسکتی ہے چنانچہ غزل، آزاد نظم، معری نظم، مخمس، مسدس، مستزاد کے انداز میں وطنی نظم لکھنے کا رواج اُردو شاعری میں عام رہا ہے۔ وطنیت دورِ حاضر کا ایک اہم رویہ ہے اور اس رویہ کے ذریعہ شاعری میں بہت بڑا تغیر پیدا ہوا۔ اُردو کے بیشتر شعراء نے اپنے وطنِ ذاتی، وطنِ اصلی اور وطنِ نسبتی کی تعریف وتوصیف میں شاعری کی۔ اس قسم کی شاعری سے وطنی نظم کی روایت فروغ پانے لگی۔ شاعروں نے کسی ایک ہئیت کے بجائے مختلف ہئیتوں میں وطنی نظموں کو پیش کر کے وطن پرست شاعری کے جدید رجحان کو فروغ دیا اور یہ رجحان دور حاضر کے ہر شاعر کے کلام میں جلوہ دکھاتا ہے۔ ✪✪✪

---

www.urduacademyts.com

وطنی نظم

خاکِ ہند

چکبستؔ لکھنوی

پنڈت برج نرائن چکبستؔ (۱۸۸۲ء۔۱۹۲۶ء) فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ چکبست بنیادی طور پر وطن پرست شاعر ہیں۔ ان کی بیشتر نظمیں ان کے عہد کے سیاسی اور سماجی حالات سے متعلق اور اُن کی وطن پرستی کی آئینہ دار ہیں۔

''خاکِ ہند'' اُن کی مشہور نظم ہے جس میں انہوں نے ہندوستان کی عظمت کے ترانے گائے ہیں اور بتایا ہے کہ اس کی تہذیبی، تمدنی اور ثقافتی تاریخ کو سنوارنے اور پُر وقار بنانے میں مختلف مذاہب کے پیروؤں نے حصہ لیا ہے۔ اس طرح اپنے ہم وطنوں کو انہوں نے قومی اتحاد و اتفاق کا درس دیا ہے اور تاریخ کے ان ادوار کو از سرِ نو زندہ کرنے کی خواہش کی ہے جن میں اتحاد و اتفاق کی فضا قائم تھی۔ ✪✪✪

اے خاکِ ہند! تیری عظمت میں کیا گماں ہے — دریائے فیضِ قدرت تیرے لیے رواں ہے
تیری جبیں سے نورِ حُسنِ ازل عیاں ہے — اللہ رے زیب و زینت کیا اوجِ عز و شاں ہے

ہر صبح ہے یہ خدمت خورشید پُر ضیا کی
کرنوں سے گوندھتا ہے چوٹی ہمالیا کی

اس خاکِ دل نشیں سے چشمے ہوئے وہ جاری — چین و عرب میں جن سے ہوتی تھی آبیاری
سارے جہاں پہ جب تھا وحشت کا ابر طاری — چشم و چراغِ عالم تھی سر زمیں ہماری

شمعِ ادب نہ تھی جب یوناں کی انجمن میں
تاباں تھا مہرِ دانش اس وادیِ کہن میں

www.urduacademyts.com

اگلی سی تازگی ہے پھولوں میں اور پھلوں میں　　کرتے ہیں رقص اب تک طاؤس جنگلوں میں
اب تک وہی کڑک ہے بجلی کی بادلوں میں　　پستی سی آ گئی ہے پر دل کے حوصلوں میں
گُل شمع انجمن ہے گو انجمن وہی ہے
حُبّ وطن وہی ہے، خاکِ وطن وہی ہے

اے صُورِ حُبِّ قومی اس خواب سے جگا دے　　بھولا ہوا فسانہ کانوں کو پھر سنا دے
مردہ طبیعتوں کی افسردگی مٹا دے　　اُٹھتے ہوئے شرارے اس راکھ سے دکھا دے
حُبّ وطن سمائے آنکھوں میں نور ہو کر
سر میں خمار ہو کر دل میں سرور ہو کر

ہے جوئے شیر ہم کو نورِ سحر وطن کا　　آنکھوں کی روشنی ہے جلوہ اس انجمن کا
ہے رشکِ مہر ذرّہ، اس منزل کہن کا　　ٹلتا ہے برگِ گل سے کانٹا بھی اس چمن کا
گرد و غباریاں کا خلعت ہے اپنے تن کو
مر کر بھی چاہتے ہیں خاکِ وطن کفن کو

www.urduacademyts.com

قومی نظم

کسی خاص جغرافیائی ماحول میں بسنے والے انسانوں کے گروہ جو ایک جیسے رسم و رواج، مذہب وعقیدت، زبان اور رسموں سے وابستہ ہوں ان کے محاسن اور ان کے کارناموں کا بیان اور غلط رویوں پر نکتہ چینی کرنا قومیت کہلاتی ہے۔ شاعری کی مختلف ہیئتوں کو کام میں لاتے ہوئے قوم پرست شاعری ''قومی نظم'' کی دلیل سمجھی جاتی ہے۔ قوم کا تعلق علاقہ سے بھی ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ہی رنگ و نسل اور مذہب بھی قوم کی بنیاد بنتے ہیں۔ اسی لیے کسی رنگ و نسل، جغرافیائی حدود میں بسنے والے انسانی گروہ یا پھر کسی خاص مذہبی رویے کو اختیار کرنے والے افراد پر قوم کا اطلاق ہوتا ہے۔ کسی مذہبی، رنگ و نسل اور جغرافیائی حالات سے وابستہ انسانوں کو جگانے اور ان میں احساس پیدا کرنے والی شاعری ''قومی نظم'' کے معنی و مفہوم کو پورا کرتی ہے۔ اُردو شاعری میں قومی نظم کی بنیاد شہر آشوب اور واسوخت سے رکھی گئی۔ میر و سودا کے عہد سے اُردو شاعری میں قوم پرستی کا رجحان عام ہوا۔ نظیر اکبر آبادی، حالؔی، آزاد، شبلی نعمانی کے بعد علامہ اقبال، جوش ملیح آبادی، چکبست، سرور جہاں آبادی، تلوک چند محروم کے علاوہ بیشتر ترقی پسند شعراء کے کلام میں قومی شاعری کے عناصر موجود ہیں۔ دورِ حاضر میں یوروپی قوموں نے قوم پرست نظریہ کی بنیاد رکھی ہے اور مختلف مذاہب، فرقوں اور ذاتوں پر مشتمل جو سماج ہوگا اسے قوم کے نام سے یاد کیا جانے لگا ہے۔ ہندوستان میں کئی مذاہب اور کئی رنگ و نسل کے لوگ آباد ہیں لیکن وہ اپنے مذہب اور رسم و رواج کے اعتبار سے چاہے علیحدہ شناخت کیوں نہ رکھتے ہوں لیکن ہندوستان کے باشندے ہونے کی وجہ سے انہیں ہندوستانی قوم کے نام سے یاد کیا جائے گا۔ اس طرح یک قومی نظریہ عالم وجود میں آیا اور ایسی قومی یکجہتی کو شاعری کے ذریعہ نمایاں کیا جانے لگا۔ جب کوئی قوم دوسری قوم کا استحصال کرتی ہے تو ایسے وقت قوم پسند شعراء کے کلام سے جو اشعار ظاہر ہوتے ہیں وہ بلاشبہ قومی شاعری کو پروان چڑھانے کے علمبردار ہوتے ہیں۔ ✪✪✪

www.urduacademyts.com

قومی نظم

نیا شوالہ

از: ڈاکٹر سر محمد اقبال

سر محمد اقبال (۱۸۷۳ء ۔ ۱۹۳۸ء) سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ سید میر حسن سے علوم مشرقی، فارسی اور عربی کی کامل تعلیم حاصل کی۔ طالب علمی کے زمانے سے ہی مشاعروں میں شرکت کی۔ حضرت داغ دہلوی سے شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ سیالکوٹ کالج سے ایف اے اور لاہور کالج سے ایم۔اے کی ڈگری حاصل کی۔ سر ٹامس آرنلڈ سے فلسفہ سیکھا۔ پروفیسر نکلسن نے ان کی نظم ''اسرارِ بے خودی'' کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ کیمبرج یونیورسٹی سے اعلیٰ ڈگریاں حاصل کر کے جرمن گئے۔ یورپ میں قیام کے دوران فارسی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ ان کی نظم ''ہمالہ'' ۱۹۰۱ء میں رسالہ ''مخزن'' میں شائع ہوئی۔ جس سے ان کی اُردو شاعری کا آغاز ہوا۔ پہلا اُردو مجموعہ ''بانگ درا'' ستمبر ۱۹۲۴ء میں دوسرا شعری مجموعہ ''بال جبرئیل'' جنوری ۱۹۳۵ء میں اور تیسرا شعری مجموعہ ''ضرب کلیم'' ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا۔ فارسی کی دو مثنویاں ''مسافر'' اور ''پس چہ باید کرد اے اقوام مشرق'' شائع ہوئیں۔ آخری مجموعہ ''ارمغانِ حجاز'' کے نام سے شائع ہوا۔ اقبال نے اسلامی فکر کو فروغ دیا۔ ان کی شاعری میں تصورِ خودی، تصورِ عشق اور تصورِ فقر کے پس منظر میں اسلامی فلسفہ کی کارفرمائی دکھائی دیتی ہے۔ ۱۹۰۹ء میں لاہور کالج کے فلسفہ کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ ۱۹۲۳ء میں حکومت نے ''سر'' کے خطاب سے نوازا۔ ۲۱/اپریل ۱۹۳۸ء کو علامہ اقبال بمقام لاہور انتقال کر گئے اور وہیں سپردِ خاک ہوئے۔ ✪✪✪

سچ کہہ دوں اے برہمن! گر تو برا نہ مانے
تیرے صنم کدوں کے بت ہو گئے پرانے

اپنوں سے بیر رکھنا تو نے بتوں سے سیکھا
جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے

www.urduacademyts.com

تنگ آ کے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا واعظ کا وعظ چھوڑا، چھوڑے ترے فسانے

پتھر کی مورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے

خاکِ وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

آ، غیریت کے پردے ایک بار پھر اٹھا دیں بچھڑوں کو پھر ملا دیں ، نقشِ دوئی مٹا دیں

سونی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی آ، اک نیا شوالہ اس دیس میں بنا دیں

دنیا کے تیرتھوں سے اونچا ہوا اپنا تیرتھ دامانِ آسماں سے اس کا کلس ملا دیں

ہر صبح اٹھ کے گائیں منتر وہ میٹھے میٹھے سارے پجاریوں کو مے پیت کی پلا دیں

شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے

دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

---

www.urduacademyts.com

رومانی نظم

حسن وعشق کی رنگینی، جذبوں کی شدت اور مرد وعورت کے احساسات کا پرتو عام طور پر شاعری میں بھی دکھائی دیتا ہے اور نثر میں بھی۔ شاعری میں عورتوں اور مردوں کے احساسات کو حسن کاری اور رنگین بیانی کے ساتھ نمایاں کیا جائے تو ایسی شاعری ''رومانی نظم'' کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔ اُردو شاعری میں پورا ایک دور ''رومانیت'' کا دور کہلاتا ہے۔ جس کا اثر اُردو نثر پر بھی رہا اور اُردو شاعری پر بھی۔ اختر شیرانی اور جوش ملیح آبادی کو رومانی شاعر کی حیثیت سے شہرت حاصل رہی ہے۔ حسرت موہانی نے غزلوں میں رومانیت کو پیش کیا۔ اُردو کے شاعروں نے پابند نظم، آزاد نظم، معری نظم ہی نہیں بلکہ مختلف ہیئتوں میں رومانی نظمیں لکھیں۔ مسدس، مخمس، مربع، مثلث اور مستزاد کی صورت میں بھی رومانی نظمیں موجود ہیں۔ اسی طرح سانیٹ، ماہیا، گیت، دوہا، ترائیلے اور ہائیکو جیسی دوسری زبانوں کی شعری ہیئتوں میں بھی رومانی نظم لکھ کر اُردو شاعروں نے اس طرز کا حق ادا کیا۔ اُردو شاعری میں اختر شیرانی، مجاز لکھنوی، جوش ملیح آبادی، سرور جہاں آبادی، معین احسن جذبی، جاں نثار اختر اور ریاض خیر آبادی کی شاعری میں ''رومانی نظم'' کا انداز کارفرما نظر آتا ہے۔ شعر وادب میں رومانی انداز اختیار کرنے کا انداز اُردو میں انگریزی کے زیر اثر عام ہوا۔ سب سے پہلے جرمن ادب میں رومانی رجحان پروان چڑھا۔ جس سے متاثر ہو کر انگریزی شاعروں ورڈز ورتھ اور کولرج وغیرہ نے اپنی شاعری کے ذریعہ تخیل کی آزادانہ پرواز، فطرت پسندی اور انسان کی ازلی معصومیت کی بازیافت کی طرف توجہ دی۔ یہی معصومیت کا انداز رومانیت پسندی کا ذریعہ بنا۔ رومانی نظم کی تحریک کو فروغ دینے والے شعراء میں شیلی، کیٹس اور بائرن وغیرہ مشہور ہیں جبکہ رومانی نثر لکھنے والے ادبی قلمکاروں میں لیمب، ہیزلٹ، فیلڈنگ اور ہارڈی مشہور ہوئے۔ فرانس میں روسو اور جرمنی میں گوئٹے کے علاوہ شلیگل کو رومانی تحریک کا علمبردار قرار دیا جاتا ہے۔ ✪✪✪

www.urduacademyts.com

رومانی نظم

برکھارُت

از: اختر شیرانی

اختر شیرانی (۱۹۰۵۔۱۹۴۸ء) ریاست ٹونک میں پیدا ہوئے۔ اصل نام داؤد خاں اور تخلص اخترؔ اختیار کیا۔ ان کے والد حافظ محمود شیرانی اُردو کے نامور محقق اور ماہر لسانیات تھے۔ لاہور میں پرورش پائی۔ کم عمری سے مشق سخن کرنے لگے۔ حافظ محمود شیرانی نے لندن سے واپسی کے بعد ان کی ابتدائی تعلیم پر خصوصی توجہ دی۔ اختر نے اورینٹل کالج لاہور کے رسالے ''شہکار'' اور ''انتخاب'' کی تزئین کاری کی۔ انہوں نے بذات خود وقفہ وقفہ سے تین رسالے ''بہارستان''، ''خیالستان'' اور ''رومان'' جاری کیے۔ شاعری کے علاوہ افسانے، مضامین اور ڈرامے بھی لکھے۔ اُردو شاعری میں رومانیت کے علمبردار اور جمالیاتی شعور کو بیدار کرتے ہوئے گیت، نظمیں اور غزلیں لکھنے والے شاعر کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ انہوں نے انسانی پیکر کے حسن و جمال اور اس کی رعنائی کے طلسم میں اسیر ہو کر ارضی مناظر کو نظر انداز نہیں کیا۔ ۹/ستمبر ۱۹۴۸ء کو بمقام لاہور داعی اجل کو لبیک کہا۔ ان کے شعری مجموعوں میں ''پھولوں کے گیت'' (بچوں کی نظمیں) نغمۂ حرم (عورتوں اور بچوں کے لیے نظمیں) ''صبحِ بہار'' رومانی نظموں کا پہلا مجموعہ ''اخترستان'' نظموں اور سانیٹ کا مجموعہ، لالۂ طور نظموں اور سانیٹ کا مجموعہ ''طیورِ آوارہ'' غزلوں، گیتوں اور رباعیوں کا مجموعہ ''شہناز'' نظموں، غزلوں اور رباعیوں کا مجموعہ شہزور (نظموں، غزلوں، نغموں اور سانیٹ کا مجموعہ) 'شعرستان (تیرہ سانیٹ اور چار نظموں کا مجموعہ) ڈراما ''ضحاک'' افسانوی مجموعہ ''دھڑکتے دل'' (فلمی افسانے) ''آئینہ خانہ میں'' اُردو مشاہیر ڈرامہ نگاروں کا انتخاب ''وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھا'' اور خطوط کے مجموعے شائع کیے۔ اختر شیرانی کی شاعری سیاست، مذہب اور سماج کے تناظر میں انفرادیت اور رومانی احساس سے مالا مال ہے۔ نظم ''برکھارت'' مستزاد کے طرز پر لکھی گئی ہے۔ ✪✪✪

www.urduacademyts.com

آسماں پر چھا رہا ہے ابر پاروں کا ہجوم　　نو بہاروں کا ہجوم
آہ یہ رنگین آوارہ نظاروں کا ہجوم　　کوہساروں کا ہجوم
بدلیاں ہیں یا کسی کے بھولے بسرے خواب ہیں　　بے خود و بیتاب ہیں
یا ہوا پر تیرتا ہے رود باروں کا ہجوم　　آبشاروں کا ہجوم
پھرتی ہیں آوارہ متوالی گھٹائیں اس طرح　　اور ہوائیں اس طرح
جھومتا پھرتا ہو جیسے میگساروں کا ہجوم　　بادہ خواروں کا ہجوم
وادیِ گنگا ہے، برکھارُت ہے، کالی رات ہے　　رات ہے، برسات ہے
اور فضا میں تیرنے والے نظاروں کا ہجوم　　نشہ زاروں کا ہجوم
نیلگوں پریاں اُفق میں، پر ہیں پھیلائے ہوئے　　بال بکھرائے ہوئے
یا اُمنڈ آیا ہے ساون کی بہارو ں کا ہجوم　　ابر پاروں کا ہجوم
ننھی ننھی بوندیں گرتی ہیں حجابِ ابر سے　　یا نقابِ ابر سے
چھن رہا ہے قطرے بن بن کر ستاروں کا ہجوم　　برق پاروں کا ہجوم
یہ گھٹائیں ہیں کہ خوابوں کے سفینے ہیں رواں　　بے قرینے ہیں رواں
باد بانوں میں چھپائے چشمہ ساروں کا ہجوم　　جوئباروں کا ہجوم
بجلی ہے یا نور کی زنجیر لہرائی ہوئی　　پیچ و خم کھائی ہوئی
یا خمیدہ، مرمریں پھولوں کے ہاروں کا ہجوم　　اور ستاروں کا ہجوم
یہ سماں بجلی کا، یہ مہتاب کی سی وادیاں　　خواب کی سی وادیاں
نشے میں بھیگا ہوا یہ سبزہ زاروں کا ہجوم　　یہ بہاروں کا ہجوم
کوہساروں میں خوشی کی بستیاں آباد ہیں　　مستیاں آباد ہیں
چار سو بکھرا پڑا ہے سبزہ زاروں کا ہجوم　　مرغزاروں کا ہجوم

www.urduacademyts.com

یوں نظر آتے ہیں کہسارِ مسوری دور سے　　مست سے مخمور سے
جُوں سمندر سے جزیروں کی قطاروں کا ہجوم　　سبزہ زاروں کا ہجوم

یہ سفر، یہ رات، یہ برسات اور پھر ہم سفر　　الامان والحذر
ایک حُسنِ یاسمیں، رنگیں بہاروں کا ہجوم　　ماہ پاروں کا ہجوم

آہ یہ مخمور آنکھیں، مست سی بے خواب سی　　نیند میں بے تاب سی
جن سے چھلکا پڑ رہا ہے حشر پاروں کا ہجوم　　فتنہ زاروں کا ہجوم

آہ یہ شاداب چہرہ اور یہ حسنِ نازنیں　　اُف یہ جسمِ یاسمیں
جیسے یک جا ہو سمٹ کر نو بہاروں کا ہجوم　　چاند تاروں کا ہجوم

یہ سُہانے منظر اخترؔ مدّتوں یاد آئیں گے　　مدّتوں تڑپائیں گے
آہ! یہ رات، اُف یہ مستانہ نظاروں کا ہجوم　　یہ بہاروں کا ہجوم

---

www.urduacademyts.com

انقلابی نظم

تبدیلی لانے اور تغیر کو عام کرنے کی غرض سے لکھی گئی جذباتی شاعری ''انقلابی نظم'' کی دلیل ہے۔ انقلابی نظم کے دوران شاعر نہ صرف جھنجھوڑنے، قومی ورثہ کے نغمے الاپنے اور سوئی ہوئی قوتوں کو جگانے کی کوشش کرتا ہے بلکہ صالح جذبوں کے فروغ اور مثبت رویوں کو عام کرنے کی ترغیب کا رویہ اپناتا ہے۔ درحقیقت انقلابی نظم غلط روش سے روکنے اور اچھے طریقوں کی طرف مائل کرنے والی ایسی شاعری ہے جس میں شاعری کے ذریعہ جوش اور ولولہ کا مظاہرہ ہی نہیں بلکہ شعری پیکروں اور لفظی بندشوں کے ذریعے ایسا سماں باندھا جاتا ہے کہ جس کے سحر میں انسان کے احساسات اور جذبات گم ہوجاتے ہیں۔ غرض انقلابی شاعری انتہائی کارآمد اور سوئے ہوئے احساسات کو جگانے کا فریضہ انجام دیتی ہے۔ اس قسم کی شاعری میں لہجہ کی گھن گرج اور شعری رویے کی شدت کو محسوس کیا جاسکتا ہے۔ اُردو شاعری میں ''انقلابی نظم نگاری'' ترقی پسندی کی دین ہے۔ اس سے قبل اکبرالہ آبادی، مجاز لکھنوی، علامہ اقبال اور دوسرے شاعروں نے اس قسم کی طرز پر توجہ دی۔ انقلابی نظم نگاری میں جوش ملیح آبادی کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ عظمت اللہ خاں، حفیظ جالندھری اور میراں جی کی نظموں میں بھی انقلابی رجحانات کا اندازہ ہوتا ہے۔ غرض انقلابی نظم ہر صنف اور ہئیت میں لکھی جاتی اور اُردو شاعری میں انفرادیت کا درجہ رکھتی ہے۔ ماحول، افکار، کردار اور رسومات سے کسی بھی نظامِ زندگی میں اچانک رونما ہونے والی تبدیلی کو ہی انقلاب کہا جائے گا جس میں قدامت کے بجائے جدت اور وسعت کو دخل ہوتا ہے۔ اس قسم کی شاعری کے ذریعہ اصولوں میں تغیر اور پرانی روایتوں کو توڑنے اور اپنے حق کی طلب کے لیے جان کی قربانی دینے کے جذبہ کو ابھارا جاتا ہے۔ اُردو میں ترقی پسند شاعری کی وجہ سے ادب کے روایتی تصورات میں انقلاب رونما ہوا۔ خاص طور پر اس کا گہرا اثر اُردو شاعری پر پڑا۔ ✪✪✪

www.urduacademyts.com

انقلابی نظم

ایسٹ انڈیا کمپنی کے فرزندوں سے خطاب

از: جوش ملیح آبادی

شبیر حسین خاں جوش ملیح آبادی (۱۸۹۶ء۔۱۹۸۲ء) ان کے بزرگ کابل سے تشریف لائے اور قائم گنج ضلع فرخ آباد میں قیام کیا پھر ملیح آباد کو اپنا مستقر بنالیا۔ گھر میں شاعری کا چرچہ تھا۔ جوش نے شروع میں بارہ تیرہ سال عمر کے دوران عزیز لکھنوی سے کلام پر اصلاح لی۔ عربی اور فارسی میں کمال حاصل کیا۔ حیدرآباد منتقل ہوئے تو دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کے ناظم ادبی مقرر ہوئے۔ رسالہ کلیم نکالا، پھر رسالہ ''آجکل'' کے مدیر مقرر ہوئے۔ شاعری میں دریا کی روانی اور ولولہ کی وجہ سے انہیں شاعر شباب، شاعر انقلاب اور شاعر خمریات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حیدرآباد سے دلی آئے اور آزادی کے بعد پاکستان منتقل ہوئے جہاں اپنی خودنوشت ''یادوں کی برات'' تحریر کی۔ ۲۲/فروری ۱۹۸۲ء کو بمقام پاکستان انتقال کیا۔ انہوں نے متضاد تراکیب پر مشتمل شعری مجموعہ پیش کیے۔ جن میں ''نقش ونگار''، ''جنوں وحکمت'' (رباعیات) ''شعلہ وشبنم''، ''فکرونشاط''، ''افکاروالہام''، ''اثبات ونفی''، ''عرش وفرش'' وغیرہ اہمیت کے حامل ہیں۔ شاعرِ انقلاب حضرت جوش ملیح آبادی نے ''پیغمبر اسلام'' کے نام سے سیرت رسول ﷺ بھی پیش کی۔ حیدرآباد کے دربار سے وابستہ رہے۔ اشتراکیت کو اختیار کرلیا تھا۔ ترقی پسند تحریک سے وابستہ رہے۔ اُردو میں نظم، غزلیات اور رباعیات لکھ کر انقلابی خیالات کو پیش کیا۔ شاعری میں الفاظ کے برجستہ اور رواں استعمال کے معاملہ میں جوش کو میر انیس کے بعد اہم مقام حاصل ہے جوشؔ نے بہترین مرثیے بھی لکھے۔ ان کے کلام میں دریا کی روانی موجود ہے اور ایسا لگتا ہے کہ الفاظ ان کے روبرو ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ جوش انقلاب ہی نہیں بلکہ جوش اور ولولہ کے شاعر ہیں۔ ان کی غزلوں سے زیادہ طویل نظمیں شہرت رکھتی ہیں۔ انہوں نے مذہب اور مذہب کے غلط رویوں کا مذاق بھی اڑایا غرض، جوش کی شاعری اُردو ادب میں انقلابی شاعری کی حیثیت سے اہمیت کی حامل ہے۔ ✪✪✪

---

www.urduacademyts.com

کس زباں سے کہہ رہے ہو آج اے سوداگر
"دہر میں انسانیت کے نام کو اونچا کرو
جس کو سب کہتے ہیں، ہٹلر بھیڑیا ہے بھیڑیا
بھیڑیے کو ماردو گولی بچے امن و بقا
باغِ انسانی میں چلنے ہی پہ ہے بادِ خزاں
آدمیت لے رہی ہے ہچکیوں پر ہچکیاں
ہات ہے ہٹلر کا رخشِ خود سری کی باگ پر
تیغ کا پانی چھڑک دو جرمنی کی آگ پر"
سخت حیراں ہوں کہ محفل میں تمہاری اور یہ ذکر
نوعِ انسانی کے مستقبل کی اب کرتے ہو فکر
جب یہاں آئے تھے تم سوداگری کے واسطے
نوعِ انسانی کے مستقبل سے کیا واقف نہ تھے
ہندیوں کے جسم میں کیا روحِ آزادی نہ تھی
سچ بتاؤ کیا وہ انسانوں کی آبادی نہ تھی
اپنے ظلمِ بے نہایت کا فسانہ یاد ہے
کمپنی کا پھر وہ دورِ مجرمانہ یاد ہے!

www.urduacademyts.com

لوٹتے پھرتے تھے تم جب کارواں در کارواں
سر برہنہ پھر رہی تھی دولتِ ہندوستاں
دست کاروں کے انگوٹھے کاٹتے پھرتے تھے تم
سر دلاشوں سے گڑھوں کو پاٹتے پھرتے تھے تم
صنعتِ ہندوستاں پر موت تھی چھائی ہوئی
مَوت بھی کیسی، تمہارے ہاتھ کی لائی ہوئی
اللہ اللہ کس قدر انصاف کے طالب ہو آج
میرؔ جعفر کی قسم کیا دشمنِ حق تھا سراجؔ؟
کیا اودھ کی بیگموں کا بھی ستانا یاد ہے؟
یاد ہے جھانسی کی رانی کا زمانا یاد ہے؟
ہجرتِ سلطانِ دہلی کا سماں بھی یاد ہے؟
شیر دل ٹیپو کی خونیں داستاں بھی یاد ہے؟
تیسرے فاقے میں اک گرتے ہوئے کو تھامنے
کس کے سر لائے تھے تم شاہِ ظفر کے سامنے
یاد تو ہوگی وہ مٹیاؔ برج کی بھی داستاں
اب بھی جس کی خاک سے رہ رہ کے اٹھتا ہے دُھواں
تم نے قیصرؔ باغ کو دیکھا تو ہوگا بار ہا
آج بھی آتی ہے جس سے ہائے اختر کی صدا
سچ کہو کیا حافظے میں ہے وہ ظلمِ بے پناہ
آج تک رنگون، میں اک قبر ہے جس کی گواہ

www.urduacademyts.com

ذہن میں ہوگا یہ تازہ ہندیوں کا داغ بھی
یاد تو ہوگا تمہیں جلیان والا باغ بھی؟
پوچھ لو اُس سے تمہارا نام کیوں تابندہ ہے
ڈائرِ گرگِ دہن آلود اب بھی زندہ ہے
وہ بھگت سنگھ اب بھی جس کے غم میں دل نادشاد ہے
اُس کی گردن میں جو ڈالا تھا وہ پھندا یاد ہے؟
اہلِ آزادی رہا کرتے تھے کس ہنجار سے
پوچھ لو یہ قید خانوں کے در و دیوار سے
اب بھی ہے محفوظ جس پر طنطنہ سرکار کا
آج بھی گونجی ہوئی ہے جن میں کوڑوں کی صدا
آج کشتی امن کی امواج پر کھیتے ہو کیوں
سخت حیراں ہوں کہ اب تم درسِ حق دیتے ہو کیوں
اہلِ قوت دامِ حق میں تو کبھی آتے نہیں
''بینکی'' اخلاق کو خطرے میں بھی لاتے نہیں
لیکن آج اخلاق کی تلقین فرماتے ہو تم
ہو نہ ہو اپنے میں اب قوت نہیں پاتے ہو تم
اہلِ حق روشن نظر ہیں، اہلِ باطل کور ہیں
یہ تو ہیں اقوال اُن قوموں کے جو کمزور ہیں
آج شاید منزلِ قوت میں تم رہتے نہیں
جس کی لاٹھی اُس کی بھینس، اب کس لیے کہتے نہیں

www.urduacademyts.com

کیا کہا، انصاف ہے انساں کا فرض اوّلیں
کیا فساد و ظلم کا اب تم میں کس باقی نہیں
دیر سے بیٹھے ہو نخلِ راستی کی چھاؤں میں
کیا خدا نا کردہ کچھ موچ آگئی ہے پاؤں میں
گونج ٹاپوں کی نہ آبادی نہ ویرانے میں ہے
خیر تو ہے اسپ تازی کیا شفاخانے میں ہے
آج کل تو ہر نظر میں رحم کا انداز ہے
کچھ طبیعت کیا نصیب دشمناں ناساز ہے؟
سانس کیا اُکھڑی کہ حق کے نام پر مرنے لگے
نوعِ انساں کی ہوا خواہی کا دم بھرنے لگے
ظلم بھولے، راگنی انصاف کی گانے لگے
لگ گئی ہے آگ کیا گھر میں کہ چلّانے لگے
مجرموں کے واسطے زیبا نہیں یہ شورشین
کل یزیدؔ و شمرؔ تھے اور آج بنتے ہو حسینؔ
خیر اے سوداگرو اب ہے تو بس اس بات میں
وقت کے فرمان کے آگے جھکادو گردنیں
اک کہانی وقت لکھے گا نئے مضمون کی
جس کی سرخی کو ضرورت ہے تمہارے خون کی
وقت کا فرمان اپنا رُخ بدل سکتا نہیں
مَوت ٹل سکتی ہے اب فرمان ٹل سکتا نہیں

www.urduacademyts.com

علامتی نظم

شاعری میں اظہار کا ایسا انداز جس کے ذریعہ مافی الضمیر کا بیان کسی اشارے یا علامت سے مربوط ہو، اسے علامتی شاعری کہا جاتا ہے۔ عام طور پر شاعر کسی مخصوص اظہار کو مخصوص ذہنیت کے افراد کے روبرو ظاہر کرنا چاہے تو وہ مخصوص افراد کی ذہنیت کا لحاظ کرتے ہوئے کسی نہ کسی اشارے کو شاعری میں بطور علامت استعمال کرے تو ایسی شاعری ''علامتی نظم'' کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کا فقرہ جو انہوں نے اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کا گھر دیکھنے کے بعد کہا تھا ''گھر کی چوکھٹ بدل دو'' اس جملہ میں چوکھٹ ایک علامت کے طور پر استعمال ہوئی ہے۔ حساب میں جمع، تفریق، ضرب اور تقسیم کی علامتیں مفہوم ادا کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ اسی طرح کوئی منہ پر انگلی رکھ لے تو خاموشی اور آنکھیں بند کر کے ایک ہاتھ کان پر رکھ دے تو یہ علامت ''سونے'' کا مفہوم ادا کرے گی۔ ترقی پسند ادب کے ذریعہ علامتی نثر اور شاعری کا رواج ہوا۔ انیسویں صدی کے اواخر میں ژاں مورئیس علامت نگاری کا موجد ہوا۔ بودلیر، ملارمے، ورجین اور ریمبو علامت نگاری کے پیش رو قرار دیئے گئے۔ جن کا اثر انگلستان، امریکہ، روس اور جرمنی کے ممالک پر پڑا۔ اُردو کے شاعروں اور ادیبوں نے ترقی پسند تحریک کے زیر اثر اس رجحان کو اختیار کیا۔ اُردو شاعری میں ن۔م۔راشد، فیض احمد فیض، مخدوم محی الدین، عادل منصوری، منیر نیازی اور بلراج کومل کے علاوہ بے شمار شعراء نے اپنے کلام کو علامتی انداز سے وابستہ کیا اور آج بھی علامتی شاعری کا رواج عام ہے۔ عام طور پر سماجی، مذہبی، معاشرتی اور تاریخی اساس پر علامتوں کا وجود ہوتا ہے۔ ن۔م۔راشد کی نظم ''زنجیر'' غلامی کی علامت ہے۔ فیض احمد فیض نے ''داغ داغ اجالا'' کہہ کر مکمل آزادی نہ ملنے کا اشارہ دیا اور مخدوم محی الدین نے ''موم کی طرح جلتے رہے'' مصرعہ کے ذریعہ قربانیوں سے بھرپور زندگی کی علامت پیش کی۔ غرض اُردو شاعری میں علامت کا استعمال مفہوم کی وسعت کا وسیلہ بن جاتا ہے۔ ✪✪✪

www.urduacademyts.com

علامتی نظم

زنجیر

از: ن۔م۔راشد

ن۔م۔راشد (۱۹۱۰ء۔۱۹۷۵ء) تاریخی نام نذر محمد خضر محمد تھا۔ ۹/نومبر ۱۹۱۰ء کو مغربی پاکستان کے ضلع گوجرانولہ کے قصبے اکالی گڑھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم قصبہ کے مدرسہ میں حاصل کی۔ ۱۹۲۶ء میں میٹریکولیشن کا امتحان کامیاب کیا۔ سات آٹھ برس کی عمر میں انسپکٹر آف اسکولس پر نظم لکھی۔ ان کے والد راجہ فیض الٰہی چشتی نے شاعری کی قدر کی۔ ۱۹۲۶ء میں گورنمنٹ کالج لائل پور سے انٹرمیڈیٹ میں داخلہ لیا۔ گورنمنٹ لاہور کالج سے بی۔اے کیا اور کالج کے رسالے ''راوی'' کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ کالج کے مشاعرے میں انعام حاصل کیا۔ ماہنامہ ''نگار'' سے شاعری کا آغاز کیا۔ کالج میں بزم سخن کے سکریٹری رہے۔ انگریزی ادب سے بی۔اے آنرز پنجاب یونیورسٹی سے کیا۔ ۱۹۳۲ء میں معاشیات سے ایم۔اے کیا۔ پہلا شعری مجموعہ ''ماورا'' ۱۹۴۱ء میں شائع ہوا۔ دوسرا شعری مجموعہ ''ایران میں اجنبی'' ۱۹۵۵ء میں شائع ہوا۔ تیسرا شعری مجموعہ ''لا یعنی انسان'' ۱۹۶۹ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ انتقال کے بعد چوتھا شعری مجموعہ ''گمان کا ممکن'' ۱۹۷۶ء میں شائع ہوا۔ ان کی ملازمت کا آغاز ۱۹۳۹ء میں آل انڈیا ریڈیو کے پروگرام اسسٹنٹ کی حیثیت سے ہوا۔ لاہور اور دلی ریڈیو اسٹیشن پر اسٹیشن ڈائرکٹر بنائے گئے۔ پبلک ریلیشنز آفیسر کی حیثیت سے ۱۹۴۳ء ۱۹۴۷ء تک کام کیا۔ بغداد، طہران، قاہرہ، یروشلم اور کولمبو میں خدمات انجام دیں۔ ۱۹۴۷ء میں لکھنور یڈیو اسٹیشن کے ڈائرکٹر اور آزادی کے بعد پشاور اسٹیشن کے ڈائرکٹر مقرر ہوئے۔ یو این او کے ڈائرکٹر کی حیثیت سے تہران میں خدمات انجام دیں۔ شعری مجموعوں کے علاوہ تنقیدی مضامین اور جدید فارسی شاعری پر کتابیں لکھیں ۳۱/مئی ۱۹۷۳ء کو یو این او کے وظیفہ پر سبکدوش ہوئے اور لندن میں قیام کیا۔ وہیں ۱۹۷۵ء انتقال ہوا۔ اُردو میں علامتی شاعری کے باوا آدم کی حیثیت سے ن۔م۔راشد کا نام اہمیت کا حامل ہے۔ ✪✪✪

---

www.urduacademyts.com

گوشۂ زنجیر میں
اک نئی جنبش ہویدا ہو چلی،
سنگِ خارا ہی سہی، خارِ مغیلاں ہی سہی،
دشمنِ جاں، دشمنِ جاں ہی سہی،
دوست سے دست و گریباں ہی سہی
یہ بھی تو شبنم نہیں.....
یہ بھی تو مخمل نہیں، دیبا نہیں، ریشم نہیں

ہر جگہ پھر سینۂ نخچیر میں
اک نیا ارماں، نئی امید پیدا ہو چلی،
حجلۂ سیمیں سے تو بھی پیالۂ ریشم نکل،
وہ حسیں اور دور افتادہ فرنگی عورتیں
تو نے جن کے حسنِ روز افزوں کی زینت کے لیے
سالہا بے دست و پا ہو کر بُنے ہیں تار ہائے سیم و زر
ان کے مردوں کے لیے بھی آج اک سنگین جال
ہو سکے تو اپنے پیکر سے نکال!

شکر ہے دنبالۂ زنجیر میں
اک نئی جنبش، نئی لرزش ہویدا ہو چلی،
کوہساروں، ریگزاروں سے صدا آنے لگی
ظلم پروردہ غلامو! بھاگ جاؤ
پردۂ شبگیر میں اپنے سلاسل توڑ کر،
چار سو چھائے ہوئے ظلمات کو اب چیر جاؤ
اور اس ہنگام بادآورد کو
حیلۂ شب خوں بناؤ!

www.urduacademyts.com

آزاد نظم

ردیف اور قافیہ کی پابندی کیے بغیر چھوٹے بڑے مصرعوں پر لکھی جانے والی ایسی شاعری جس میں شاعر کلام لکھنے کے لیے مساوی ارکان کا پابند نہ ہو اور شاعر قافیہ، ردیف کی آزادی سے پورا پورا فائدہ اٹھائے تو ایسی شاعری ''آزاد نظم'' کہلائے گی۔ اُردو میں آزاد نظم کا سلسلہ انگریزی شاعری کے زیر اثر شروع ہوا۔ ترقی پسند تحریک کے دور سے آزاد نظم کی روایت کو فروغ حاصل ہوا۔ ایسی نظم جو کسی روایتی شعری ہیئت کی پابندی نہیں کرتی اور جس میں مقررہ تعداد میں مصرعوں کے بند نہیں ہوتے لیکن بحر اور وزن کی اتنی پابندی کا خیال ضرور رکھا جاتا ہے کہ کسی وزن یا بحر کے کوئی رکن کو منتخب کر کے اس کی تکرار کی جائے۔ اس قسم کی نظم میں مصرعہ کے روایتی تصور کو ختم کر کے کسی سطر یا سطروں کو معیار مانا جاتا ہے۔ ایسی نظم میں عام طور پر سطریں چھوٹی بڑی ہوتی ہیں اور ان کی طوالت یا اختصار کا انحصار خیال کی وسعت پر ہوتا ہے۔ حقیقی پس منظر میں آزاد نظم کا تصور مشکل ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ کسی بھی فنی پابندی ممکن نہیں۔ اس لیے اُردو میں ''آزاد نظم'' کو چھوٹے بڑے مصرعوں پر مشتمل ایسی شاعری خیال کیا جاتا ہے جو قافیہ اور ردیف سے عاری اور خیال کی پیشکش کے لیے مصرعوں کو چھوٹے اور بڑے بنانے کے ہنر سے آگاہی رکھتی ہو۔ اُردو میں ''آزاد نظم'' کی شروعات عبدالحلیم شرر کی شاعری سے ہوئی۔ ✪✪✪

فنی جائزہ

فطری طور پر انسان آزادی پسند اور نئی نئی اختراعات کو دنیا میں عام کرنے کا عادی رہا ہے۔ وہ روایات کا پاسدار بھی ہے اور مثبت اعتبار سے روایات سے بغاوت بھی کرتا ہے۔ جدت پسندی اور اختراع پسندی اس کی فطرت

تاریخی پس منظر

مغربی شاعری کے زیر اثر اُردو شاعری میں آزاد نظم کی شروعات ہوئی۔ تاریخی پس منظر میں یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ آزاد نظم کے ابتدائی آثار ''بائبل'' میں شامل ''نغماتِ سلیمانی'' اور ''زبور'' کے انگریزی تراجم میں ملتے ہیں۔ انیسویں صدی میں فرانسیسی شعراء نے اور بیسویں

www.urduacademyts.com

میں شامل ہے۔ کسی تخریبی ذہنیت سے نہیں بلکہ شاعری میں وزن اور قافیے ردیف کی ضرورتوں سے خود کو آزاد کرنے کی غرض سے ''آزاد نظم'' کا احیاء ہوا۔ سب سے پہلے خواجہ الطاف حسین حالؔی نے اُردو تنقید کی پہلی کتاب ''مقدمۂ شعر و شاعری'' میں اس حقیقت کا اظہار کیا تھا کہ بعض اوقات اچھے خیال کی پیشکش کے دوران قافیہ اور ردیف رکاوٹ بنتے ہیں۔ آزاد نظم اور آزاد شاعری کی شروعات سے بہت قبل مولانا حالؔی نے تنقیدی شعور کی روشنی میں جن حقائق کو پیش کیا۔ بعد میں اسے تجرباتی طور پر قبول کر کے آزاد نظم کی بنیاد رکھی گئی۔

وزن، لے اور تال و سر کا لحاظ لیکن قافیہ اور ردیف سے بے نیازی اور شاعری کے اوزان کے ارکان کی تعداد کو مصرعوں میں لحاظ نہ رکھتے ہوئے چھوٹے بڑے مصرعوں کی بنیاد پر شاعری کی جائے تو ایسی شاعری ''آزاد نظم'' کہلائے گی۔

بعض اوقات ایک پابند نظم کے مصرعوں کو مناسب انداز سے قطع کر کے آزاد نظم میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ میر حسن کی مایہ ناز مثنوی ''سحر البیان'' کے نعتیہ اشعار کو ''آزاد نظم'' میں تبدیل کرنے کا انداز ملاحظہ ہو

نبی کون یعنی رسولِ کریم
نبوت کے دریا کا درِ یتیم

صدی میں انگریزی شعراء نے اس قسم کی شاعری کو اظہار کا ذریعہ بنایا۔ انگریزی شاعری کے توسط سے یہ روایت اُردو شاعری کا حصہ بن گئی۔

اُردو میں آزاد نظم کی روایت کو سب سے پہلے ممتاز ناول نگار اور تاریخی ناول نگاری کی وجہ سے شہرت رکھنے والے ادیب، شاعر، صحافی اور ماہ نامہ ''دلگداز'' کے ایڈیٹر عبدالحلیم شرر نے استعمال کیا۔ دلگداز کے شماروں میں ادبِ لطیف کی بے شمار مثالوں کے ساتھ انہوں نے ''آزاد نظم'' کو تجرباتی سطح پر قبول نہیں کیا بلکہ مکمل ارادے کے ساتھ آزاد نظم کو شاعری کے ذریعہ اظہار کی حیثیت سے نمایاں کیا۔ اس لیے ''دلگداز'' میں شائع شدہ شرر کی آزاد نظمیں اپنے عہد میں تاریخ نہ بنا سکیں لیکن جب ترقی پسند تحریک کا دور دورہ ہوا تو شرر لکھنوی نے جس نہج پر آزاد نظم کی شروعات کی تھی۔ اسی نہج کو شاعری کے وسیلے کے طور پر استعمال کیا گیا۔

مولانا حالؔی نے ''مقدمۂ شعر و شاعری'' میں قافیہ اور ردیف کی پابندی سے اچھے خیال کی پیشکشی میں رکاوٹ کا خیال پیش کیا تھا۔ بیشتر نئے خیالات کے شعراء نے محسوس کیا کہ حالؔی کے تنقیدی رویے میں بلاشبہ حقیقت ہے چنانچہ انگریزی شاعری کے زیر اثر نظم کے اس رویہ کو اختیار کرنے میں کامیابی حاصل کی جسے ''آزاد نظم'' Free Verse کہا جاتا ہے۔ بنیادی طور پر آزاد نظم انگریزی شاعری کے زیر اثر شروع ہوئی اور بچوں کی نظمیں لکھنے کے دوران مولانا اسمٰعیل میرٹھی نے ''آزاد نظم'' کے انداز کو اختیار کیا۔ ترقی پسند تحریک سے قبل اسمٰعیل میرٹھی پہلے شاعر تھے جنہوں نے آزاد نظم کے پیرائے کو استعمال کیا۔ ۱۹۳۶ء میں ترقی پسند تحریک کا دور دورہ رہا اُردو کے ہر شاعر نے فیشن کے طور پر آزاد نظم لکھنے کی طرف توجہ دی۔ بعض شاعروں نے بلا شبہ کامیاب آزاد نظمیں لکھیں جن میں مخدوم محی الدین، ن۔م۔ راشد بلراج کومل اور دوسرے شاعروں کے نام شامل

www.urduacademyts.com

ہوا گو کہ ظاہر میں امّی لقب
پہ علم لدنّی کھلا دل پہ سب
بغیر از لکھے اور کیے بے رقم
چلے حکم پر اس کے لوح و قلم

پابند نظم پر آزاد نظم کا تجربہ

نبی کون
یعنی رسولِ کریم
نبوت کے
دریا کا درِ یتیم
ہوا گو کہ
ظاہر میں امّی لقب
پہ علمِ لدنّی
کھلا دل پہ سب
بغیر از لکھے
اور کیے بے رقم
چلے حکم پر
اس کے لوح و قلم

اس طرح ہر پابند نظم کے مصرعوں کے اوزان پر لکھی ہوئی شاعری کے ارکان کو صرف لے اور سُر کی بنیاد پر توڑ کر اسے بہ آسانی ''آزاد نظم'' میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ کسی بھی پابند نظم یا غزل کے ارکان کو توڑ کر موسیقی کی روانی کا لحاظ کر کے پابندیٔ ارکان سے نجات اور آزاد نظم کا آغاز کیا جاسکتا ہے۔ دور حاضر کے شعراء اسی روش کو اختیار کر کے آزاد نظم کی پابجائی کر رہے ہیں۔

شاعروں کے نام شامل ہیں۔ اس دور میں آزاد نظم کے رویے کو پسند کرنے والے ترقی پسند شاعروں میں مجاز لکھنوی اور جوش ملیح آبادی بھی موجود تھے لیکن ان شاعروں نے ''آزاد نظم'' کے طریقے کو اپنی شاعری میں جگہ نہیں دی۔ علامہ اقبال کی شاعری میں بھی آزاد نظم کے تلازمے کم کم ہی پائے جاتے ہیں۔ ترقی پسند تحریک سے وابستہ شاعروں کے قافلہ میں ہر شاعر کی نظموں میں آزاد نظم کا رجحان موجود ہے۔ اختر الایمان، جاں نثار اختر، آنند نرائن ملا، کیفی اعظمی، سردار جعفری، مخدوم محی الدین، ن۔م۔ راشد، فیض احمد فیض، احمد ندیم قاسمی، خلیل الرحمٰن اعظمی کے علاوہ دیگر ترقی پسند شاعروں نے آزاد نظم میں اپنے تخلیقی تجربات پیش کیے۔ پابند نظم لکھنے سے سخت دشوار آزاد نظم لکھنا ہے کیونکہ پابند نظم میں قافیہ اور ردیف کے سہارے شاعری کی عمارت کھڑی کی جاسکتی ہے جبکہ بے قافیہ و ردیف شاعری کی عمارت کھڑی کرنا سخت دشوار ہے اور آزاد نظم لکھتے وقت اسی حقیقت پر توجہ مرکوز کرنی ہوتی ہے۔ کسی بھی اچھے خیال کو بغیر قافیہ ردیف کے لے، تال و سر کے ساتھ پیش کر دینا ''آزاد نظم'' ہے جس کے دوران شاعر اپنی مرضی اور فطرت کے مطابق جہاں چاہے قافیوں کا برمحل استعمال بھی کرتا ہے۔ جس سے آزاد نظم میں نکھار پیدا ہوتا ہے۔ اُردو کے بیشتر شعرا نے آزاد نظم کے اسی منفرد رویہ کو استعمال کر کے ''آزاد نظم'' میں حسن کاری پیدا کی۔ ترقی پسند تحریک سے لے کر جدیدیت کے دور اور اب مابعد جدیدیت کے آغاز کے بعد بھی آزاد نظم اردو کی نظم نگاری میں انفرادیت کا درجہ رکھتی ہے اور اس طرز کی نظم لکھنے والے شاعروں کی کمی نہیں جو مختلف ادبی، مذہبی، سیاسی، سماجی اور ہنگامی موضوعات کو عنوان بنا کر آزاد نظم لکھنے کی طرف مائل ہیں۔

www.urduacademyts.com

آزاد نظم

تبوک آواز دے رہا ہے

عادلؔ منصوری

عادلؔ منصوری (پیدائش ۱۹۳۷ء) احمد آباد میں پیدا ہوئے۔ جدید اُردو شاعروں میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ گجراتی زبان میں بھی شعر کہتے ہیں۔ مصوّری سے بھی شغف ہے۔ ذیل کی نظم ''آزاد نظم'' ہے۔ آزاد نظم میں نظم معرّیٰ کی طرح ردیف قافیے کی پابندی نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ اس طرح کی نظم میں مصرعے مساوی الارکان نہیں ہوتے بلکہ چھوٹے بڑے ہوتے ہیں۔ اس نظم کا آخری مصرع دوسرے مصرعوں سے چھوٹا ہے۔

یہ نظم موضوع کے اعتبار سے اپنا منفرد مقام رکھتی ہے۔ اس نظم میں شاعر نے تبوک کے واقعے کے پس منظر میں یہ بات واضح کی ہے کہ موجودہ دور عظیم و اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لیے قربانی کا مطالبہ کر رہا ہے اور انسان اس سے روگردانی کر رہا ہے۔ ✪✪✪

تبوک آواز دے رہا ہے

زمیں سے اب جو چپک رہے گا

منافقوں میں شمار ہوگا

لہو کے سورج کی لال آنکھیں

اُداس لمحوں کو سونگھتی ہیں

کھجور پکنے کا وقت بھی ہے

سفر کٹھن ہے

www.urduacademyts.com

معرّیٰ نظم

عربی لفظ عاری سے معری کی ترکیب وجود میں آئی ہے۔ شاعری کا ایسا انداز جس کے ذریعہ شاعری میں ردیف وقافیہ کی پابندی ضروری نہ سمجھی جائے بلکہ کسی بھی خیال کو بغیر قافیہ وردیف کے بے تکلف باندھا جائے تو اسے ''معری نظم'' کہتے ہیں۔ عام طور پر اس قسم کی نظم کو ''غیر مقفی نظم'' بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس قسم کی نظم میں قافیہ اور ردیف کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ انگریزی زبان میں معری نظم کو Blank Verse کیا جاتا ہے۔ اس قسم کی نظم میں بحر کی پابندی کی جاتی ہے۔ اس طرح کی نظم میں تمام مصرعے ہم وزن ہوتے ہیں۔ انگریزی شاعری کی تقلید میں اُردو شاعری میں معری نظم کی روایت شروع ہوئی۔ سب سے پہلے یونان میں بے قافیہ نظم لکھنے کا رواج ہوا۔ اس لیے معری نظم کو ''یونانیہ'' بھی کہا جاتا ہے۔ اُردو میں پہلے پہل نظم طباطبائی، اسمٰعیل میرٹھی اور راشد الخیری وغیرہ نے معری نظم لکھی۔ گذشتہ نصف صدی میں آزاد نظم کی مقبولیت کی وجہ سے معری نظم کو اس کا جائز مقام نہ مل سکا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ مشرقی مزاج ترقی کرنے کے باوجود بھی قافیہ کے جادو کا اسیر ہے۔ اس قسم کی بہت سی نظموں میں اُردو کے شاعروں نے کہیں کہیں قافیے بھی استعمال کیے ہیں۔ ن۔م۔ راشد میراجی، اختر الایمان، مخدوم، احمد ندیم قاسمی، فیض احمد فیض، سردار جعفری، کیفی، ضیا اور ساحر کی شاعری میں معری نظمیں موجود ہیں۔ عبدالعزیز خالد نے اپنی منظوم تمثیلوں میں اس کا خوب استعمال کیا ہے۔ اُردو شاعری میں معری نظم کا سلسلہ دراز ہوتا جارہا ہے۔ اس قسم کی نظم لکھنا عام طور پر آسان سمجھا جاتا ہے لیکن ایسی نظم لکھنا اس لیے دشوار ہے کہ خیال کو پیش کرنے کے دوران مناسب لفظیات کا سہارا نہ لیا جائے تو شاعری کا حسن متاثر ہوگا۔ معریٰ نظم میں قافیہ اور ردیف سے پرہیز برتتے ہوئے شاعری کے حسن پر توجہ دینے کے لیے رواں، سبک اور معنی آفریں الفاظ کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ جس کے بغیر نظم میں حسن پیدا ہونا مشکل ہے۔ اس لیے معریٰ نظم لکھنا سخت دشوار ہے۔ ✪✪✪

www.urduacademyts.com

معری نظم

چوتھا آدمی

ندا فاضلی

ندا فاضلی (پیدائش ۱۹۳۸ء) دہلی میں پیدا ہوئے۔ بچپن گوالیار میں گزرا۔ انگریزی سے ایم۔اے کیا۔ ان کے شعری مجموعے کا نام ''لفظوں کا پُل'' ہے۔

ذیل کی نظم ''نظم معرّیٰ'' کہلاتی ہے۔ عام نظمیں ردیف وقوافی کی پابند ہوتی ہیں لیکن پابند نظموں کے برخلاف نظم معرّیٰ میں اس کی پابندی نہیں ہوتی۔ اگر کوئی قافیہ بے تکلفی سے بندھ جائے تو یہ اور بات ہے۔

اس نظم میں شاعر نے بظاہر ایک معمولی سا اور سیدھا سادہ واقعہ بیان کیا ہے لیکن اس کے پردے میں یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ اگر موجودہ نسل اپنے آبا واجداد کے تہذیبی ورثے سے منحرف ہے تو نئی پود ایک قدم آگے بڑھ کر اس تہذیبی ورثے ہی کو رد کرتی ہے۔ ✪✪✪

بیٹھے بیٹھے یونہی قلم لے کر
میں نے کاغذ کے ایک کونے پر
اپنی ماں اور اپنے باپ کے نام
ایک گھیرا بنا کے کاٹ دیے
اور اس گول دائرے کے قریب
اپنا چھوٹا سا نام ٹانک دیا
میرے اُٹھتے ہی میرے بچّے نے
پورے کاغذ کو لے کے پھاڑ دیا

---

www.urduacademyts.com

جدید نظم

موضوع یا نفسِ خیال کے اعتبار سے نظم جدید اس نظم کو کہتے ہیں جس میں دور جدید کی زندگی کے مسائل، خیالات، جذبات اور احساسات کی نمائندگی کی گئی ہو۔ فنی اعتبار سے جدید نظم ایک ایسی نظم ہے جس میں شاعر خاص طور پر قدیم اصناف کے بندے ٹکے اصولوں کی پابندی کو نظر انداز کر کے کسی مسئلہ اور انسانی زندگی کی الجھن یا پھر سیاسی، معاشی، معاشرتی اور زندگی کے مسائل کو اچھوتی ہیئت میں بیان کرے۔ سیدھی سادھی زبان میں یہ کیا جا سکتا ہے کہ خیالات کے ربط، تسلسل کو شاعری میں ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے خیالات، احساسات اور تجربات کے علاوہ مشاہدات کو شعری حسیت کے ساتھ بیان کرنا ''جدید نظم'' ہے۔ اُردو میں جدید نظم کی بنیادیں ۱۸۵۷ء کے عذر کے دوران مستحکم ہوئیں اور شاعروں نے روایتی شاعری کو خیر باد کہتے ہوئے ایسی شاعری کی بنیاد رکھی جس میں نیا پن اور تازگی کے ساتھ مشاہدہ کا عنصر شامل تھا۔ غرض نئے پن کے احساس کو شاعرانہ انداز میں بیان کرنے سے ''جدید نظم'' کی بنیاد پڑی۔ اُردو میں جدید نظم کی روایت مستحکم ہے۔ نیا عہد، نئے مسائل اور نئے رجحانات کو جس شاعری میں جگہ دی گئی وہ جدید نظم کہلانے لگی۔ کثرت سے استعمال ہونے والی اصطلاحات سے پرہیز افلاطون اور ارسطو کے بنائے ہوئے اصولوں اور روایتوں سے بغاوت کے علاوہ سائنس اور عقلیت کی ترقی کو بنیاد بنا کر کی جانے والی شاعری کو جدید نظم کا موقف حاصل ہو گیا۔ ہر شعبہ، ہر فن اور تمام علوم وفنون کے علاوہ ترقی یافتہ، ترقی پسند اور ترقی پذیر اقوام کے مسائل کی نمائندگی ''جدید نظم'' میں کی جانے لگی۔ نئے عہد کے تقاضوں کو پیشِ نظر رکھ کر اُردو میں ''جدید نظم'' کی نمائندگی کرنے والے اُردو کے شاعروں میں عمیق حنفی، قاضی سلیم، وحید اختر، خلیل الرحمٰن اعظمی، ندا فاضلی، زاہدہ زیدی، ساجدہ زیدی، کشور ناہید، فہمیدہ ریاض، کمار پاشی، ساقی فاروقی، جیلانی کامران، منیر نیازی، صلاح الدین محمود، زبیر رضوی اور وزیر آغا نے اپنی تخلیقات کے ذریعہ جدید نظم کی صنف میں اہم اضافے کیے۔ ✪✪✪

www.urduacademyts.com

جدید نظم

دھرتی تیرا مجھ سا روپ

از: قاضی سلیم

قاضی سلیم (۱۹۳۰ء۔۲۰۰۷) ۲۷/نومبر ۱۹۳۰ء کو بمقام حیدرآباد پیدا ہوئے۔ ابتداء سے ہائی اسکول کی تعلیم حیدرآباد میں حاصل کی۔ ان کے والد قاضی عبدالحمید پیشۂ وکالت سے وابستہ تھے۔ والد کے ہمراہ جالنہ منتقل ہوئے۔ جامعہ عثمانیہ سے بی۔ اے اور علی گڑھ سے یل یل بی کا امتحان کامیاب کیا۔ پہلا شعری مجموعہ ''نجات سے پہلے'' شائع ہوا۔ عملی سیاست میں حصہ لیا۔ کانگریس کے رکن پارلیمنٹ مقرر ہوئے۔ اورنگ آباد میں قیام کیا اور ساری زندگی اورنگ آباد میں گذاردی۔ عربی شاعری کا مجموعہ انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کرکے ''ریگزاروں کے گیت'' کے نام سے شائع کیا۔ روایتی انداز سے مثنوی ''باغبان وگلفر وش'' تحریر کی جس میں اُردو کے تخلیق کاروں اور نقادوں پر طنز کیا گیا ہے۔ انتقال کے بعد ان کا کلیات بھی شائع ہو چکا ہے۔ قاضی سلیم نے اپنی نظموں میں شاعری دورِ حاضر کا کرب اور موجودہ معاشرہ میں انسان کے گھٹتے وقار کو نشانہ بنا کر نظمیں لکھیں۔ وہ ترقی پسند دور کے بعد کے جدیدیت پسند شاعروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ان کی شاعری میں علامتوں اور ترسیلی تلازموں کا استعمال زیادہ ہے۔ جدید نظم کے رویہ کو شناخت کرنے کے لیے ان کی ایک نظم شاملِ نصاب ہے۔ ✪✪✪

دھرتی تیرا مجھ سا روپ
چاہے چھاؤں ہو یا دھوپ

www.urduacademyts.com

اندھے گہرے، کھڈ پاتال
سینہ چھلنی، روح نڈھال
باہر ٹھنڈک، اندر آگ
دل میں درد، زباں پر راگ

دھرتی تیرا مجھ سا روپ
چاہے چھاؤں، ہو یا دھوپ

تیری صدیاں میرے پل
وہی قیامت وہی اجل
تیری مٹی میرا خمیر
تیرا خدا اور میرا ضمیر

دھرتی تیرا مجھ سا روپ
چاہے چھاؤں، ہو یا دھوپ

بیج اُگے یا قبر بنے
پھول کھلیں یا راکھ اڑے
میری طرح چپ چاپ رہے
میری طرح ہر درد سہے

دھرتی تیرا مجھ سا روپ
چاہے چھاؤں، ہو یا دھوپ

---

www.urduacademyts.com

غزل

عربی زبان سے اُردو میں رائج ہونے والا لفظ غزل کے عربی زبان میں معنی عورتوں سے باتیں کرنا کے لیے جاتے ہیں۔ عام طور پر عربی شاعر قصیدوں کے دوران تفریحِ طبع کے لیے رنگین خیالات قصیدہ کے قافیہ اور ردیف کا التزام رکھتے ہوئے باندھتے تھے جسے غزل کہا جاتا تھا۔ فارسی زبان وادب میں غزل کا رواجِ عربی کی تقلید میں ہوا اور اُردو میں اس کا چلن فارسی کے زیر اثر ہوا۔ سب سے پہلے پندرھویں صدی عیسوی میں قلی قطب شاہ نے فارسی کے تتبع میں دکنی زبان میں غزل گوئی کی۔ تب سے اُردو غزل ہر دور میں مختلف رجحانات، تحریکات اور تصورات سے وابستہ ہوکر آج کے دور میں بھی اپنے وجود کو منوا رہی ہے۔ غزل کا ابتدائی دور دکن سے وابستہ رہا پھر دبستانِ دہلی اور دبستانِ لکھنو سے ترقی کرتے ہوئے رامپور، بھوپال اور حیدرآباد کے درباروں سے وابستہ ہوکر آج غزل عروج کی منزلیں طے کر رہی ہے۔ اُردو شاعری میں سب سے مقبول صنفِ شاعری ''غزل'' کو ہی مانا جاتا ہے اور اُردو غزل کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اب ہندوستان کی بیشتر مقبول زبانوں جیسے ہندی، تلگو، مرہٹی، گجراتی، کنڑی اور دوسری زبانوں میں بھی غزل کی ہیئت کا چلن عام ہوتا جا رہا ہے جس کی وجہ سے اُردو غزل کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ✪✪✪

غزل کا فن اور اقسام

غزل لکھنے کے لیے شاعر کو فطری طور پر آہنگ یا لے کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ آہنگ یا لے پر الفاظ کا پورا اترنا وزن کہلاتا ہے اور شاعری کے لیے مختص مختلف اوزان کے تعین کے لیے بحر کا سہارا لیا جاتا ہے۔ کسی ایک آواز کی صوتی خوبی پر الفاظ کو اسی آواز کے مطابق استعمال کرنا وزن کہلاتا ہے۔

تاریخی پس منظر

عربی سے فارسی اور فارسی سے اُردو میں رائج ہونے والی غزل ابتدائی طور پر حسن وعشق کے بیانات، وارداتِ قلبی کے علاوہ جذبات اور احساسات کے اظہار کا وسیلہ رہی۔ جس کی شروعات دکن سے ہوتی ہے۔ سب سے پہلے دکن کی مسلم حکومتوں کے دور میں غزل کا احیاء ہوا۔ دکن کے علاقہ میں پہلی مسلم سلطنت ۱۳۴۷ء میں بہمنی سلطنت کے نام سے شروع

www.urduacademyts.com

غزل کی شاعری میں سب سے پہلے وزن کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ شاعری کی لے دو رکنی اور تین رکنی الفاظ پر مشتمل ہے ۱۹ بحریں اور ان کے اشتراک سے کئی ذیلی بحریں مقرر کی جا چکی ہیں۔ ان بحروں کے اوزان پر غزل لکھنا بحر کی پابندی کہلاتی ہے۔ وزن اور بحر کے بعد غزل کی شاعری میں قافیہ کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ہم وزن الفاظ جس کے آخری ایک یا دو رکن ایک ہی لفظ پر ختم ہوں تو اسے قافیہ کہتے ہیں۔ غزل کے ہر شعر میں ایک ہی لفظ بار بار تکرار میں آئے تو اسے ردیف کہتے ہیں۔ وزن اور بحر کے بعد غزل کے فن میں قافیہ اور ردیف کی اہمیت ہوتی ہے۔ جس کے بعد غزل کی ہئیت کا آغاز مطلع، حسنِ مطلع، مقطع، ایجاز اور اختصار سے ہوتا ہے۔ غزل کا ہر شعر دو مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ غزل کا پہلا شعر جس کے دونوں مصرعوں میں قافیہ اور ردیف کا استعمال کیا جائے اسے مطلع کہا جاتا ہے۔ غزل کے پہلے شعر کے بعد دوسرا شعر بھی مطلع کے انداز سے لکھا جائے یعنی دونوں مصرعوں میں قافیہ اور ردیف کا لحاظ رکھا جائے تو اسے ''حسنِ مطلع'' کہا جائے گا۔ تیسرا شعر بھی غزل کے مطلع کے طور پر لکھا جائے تو اسے ظلِ مطلع کہا جاتا ہے۔ اگر پوری غزل مطلعوں پر مشتمل ہو تو ہم مطلع غزل کہلاتی ہے۔ غزل کے آخری شعر میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے۔ اس آخری شعر کو مقطع کہا جاتا ہے۔ کسی بات کو تفصیلی بیان کرنے کے بجائے اشارے یا کنایہ میں ذکر کرنا ایجاز کہا جاتا ہے جس میں شاعر اشاروں کے ذریعہ بات میں حسن پیدا کیا جاتا ہے۔ قافیہ اور ردیف کو چھوڑ کر کم سے کم الفاظ میں کسی راز یا پتہ کی بات کو

ہوئی۔ جس کے بعد قطب شاہی (گولکنڈہ) عادل شاہی (بیجاپور) نظام شاہی (احمد نگر) برید شاہی (بیدر) اور عماد شاہی (برار) سلطنت کا قیام عمل میں آیا۔ ان تمام سلطنتوں کے سربراہ کا تعلق ایران کی سرزمین سے تھا۔ قطب شاہی سلطنت (گولکنڈہ) اور عادل شاہی سلطنت (بیجاپور) سے وابستہ بادشاہوں نے نہ صرف اُردو میں شاعری کی بلکہ اس نئی زبان میں شعر و حکمت کی باتیں کرنے والے شاعروں اور ادیبوں کو اعزازات سے نوازا۔ چنانچہ دکنی میں شعر گوئی کرنے والے شاعروں کو بادشاہ کی جانب سے ''ملک الشعراء'' کا خطاب اور منصب دیا جاتا تھا۔ دکنی غزل گو شعراء میں قلی قطب شاہ، غواصی، ابن نشاطی، شاہی، مرزا، نوری، فائز، نصرتی، ہاشمی، ہاشم مرزا وغیرہ اہمیت رکھتے ہیں۔

دکن میں قطب شاہی اور عادل شاہی دور کے خاتمے کے بعد مغلیہ دور کی حکمرانی رہی۔ اس دور میں اُردو غزل رنگین بیانی کے ساتھ ساتھ تصوف کے موضوعات کا احاطہ کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ اس دور کے غزل گو شعراء میں قاضی محمود بحری، مجرمی، فیاض، ولی اورنگ آبادی وغیرہ غزل کے نامور شاعر قرار پائے جس کے بعد دکن پر آصف جاہی سلطنت کی حکمرانی رہی۔ اورنگ آباد کو اُردو مرکز کا درجہ حاصل ہوا۔ سراج اورنگ آبادی، عبدالولی عزلت، عاجز، محمد باقر آگاہ، ہاشم برہان پوری اس دور کے غزل کے اہم شاعروں میں شمار کیے جاتے ہے۔ دکن میں حیدرآباد کو مرکزیت حاصل ہوگئی تو اُردو کی شاہانہ سرپرستی کا سلسلہ ۱۷۲۴ء سے لے کر ۱۹۴۸ء تک جاری رہا۔

دہلی میں ولی کے پہنچنے کے بعد ریختہ میں غزل گوئی کا سلسلہ شروع ہوا۔ دہلی کی غزل میں بانکپن، شیرینی اور لطف کا انداز موجود ہے۔ دہلی کی غزل گوئی میں ابہام گوئی، ریختہ اور واسوخت کے علاوہ یاسیت کو شہرت رہی۔ دہلی کے ابتدائی غزل گو شعرء میں آبرو، مضمون، یکرنگ، شاکر ناجی، کلیم، شاہ حاتم، فغاں اور مظہر جان

www.urduacademyts.com

دلچسپ انداز سے بیان کرنا اختصار کہلاتا ہے۔ اس طرح غزل کے فن میں وزن، بحر، قافیہ اور ردیف شامل ہیں تو اس کی ہیئت میں مطلع، حسنِ مطلع، ظل مطلع کے علاوہ ایجاز و اختصار کو شامل کیا جاتا ہے جس کے بعد ہر دور میں لکھی جانے والی غزلوں کو علاحدہ علاحدہ ناموں سے پہچانا جاتا ہے۔ عورتوں کے حسن اور ان کی اداؤں کا دلچسپ پیرائے میں اظہار کسی غزل میں کیا جائے تو ایسی غزل کو ''رنگین غزل'' کہا جائے گا۔ خدا سے محبت اور عارفانہ نکات کو غزل میں جگہ دی جائے تو اسے ''متصوفانہ غزل'' کہا جاتا ہے۔ پرانی روش اور قدیم روایات کا لحاظ کرتے ہوئے غزل لکھی جائے تو اسے ''روایتی غزل'' کہا جاتا ہے۔ جدید سیاسی، سماجی، معاشی اور معاشرتی مسائل کی نمائندگی جس غزل میں ہوگی اسے ''مسائلی غزل'' کا نام دیا جاتا ہے۔ جدید فکری رجحانات اور میلانات کو جس قسم کی غزل میں بیان کیا جائے گا اسے ''جدید غزل'' کہا جاتا ہے۔ ایک ہی قسم کے خیالات تسلسل کے ساتھ کسی غزل میں بیان کئے جائیں تو اسے ''غزلِ مسلسل'' کہا جائے گا۔ مرد اور عورت کے جذبات اور احساسات کی پیشکشی ''رومانی غزل'' کے ذریعے ممکن ہے۔ دور حاضر میں اُردو غزل میں حسن و عشق کے معاملات، وارداتِ قلبی کے علاوہ غمِ عشق، غمِ جاناں، غمِ دوراں سے آگے کی گفتگو کی جانے لگی ہے۔ آج کی غزل ہر قسم کے مسئلہ کو بیان کرنے میں کامیاب ہے۔ غزل کو نیم وحشی صنفِ سخن اور غزل گو شاعر قابلِ گردن زدنی ہے کہا جاتا رہا ہے۔ اس کے باوجود بھی اُردو شاعری میں غزل آج کی مقبول ترین شعری صنفِ سخن ہے۔

جاناں اہمیت کے حاصل ہیں۔ دہلی کے دوسرے دور کے شعرائے غزل میں سودا، میر، درد، قائم، یقین، سوز، ہدایت، قدرت اور بیان جیسے شاعر مشہور ہوئے۔ آخری دور کے دہلوی شعراء میں مومن، ذوق، غالب، شیفتہ، ظفر، سالک، تسکین، نسیم، نظام، اسیر اور وزیر وغیرہ کافی مشہور ہوئے۔

دہلی سے اُردو غزل کا قافلہ لکھنو کی جانب روانہ ہوا۔ لکھنو کی غزل میں نزاکت اور نفاست کا زور ہوا۔ ریختی اور ہزل گوئی سے اُردو غزل کو مالا مال کیا گیا۔ لکھنو میں غزل کے نامور شعراء انشا، مصحفی، آتش، ناسخ، بقاء، حسرت، جرأت، رنگین، راسخ، میر خلیق، میر انیس اور مرزا دبیر مقبول رہے۔ نسیم لکھنوی اور نظیر اکبرآبادی بھی اسی دور کے یادگار شعراء میں شمار کیے جاتے ہیں۔

۱۸۵۷ء کے بعد اُردو غزل کی ساکھ کو برقرار رکھنے والے شعراء میں خاکی، غالب، ظہیر، انور، سالک مشہور ہوئے جبکہ لکھنو میں امیر، منیر، جلال، تسلیم، تعشق، نفیس اور محسن کاکوروی اہمیت کے حامل ہیں۔ دبستانوں کے زوال کے بعد حسرت موہانی، عزیز لکھنوی، آغا شاعر، فانی بدایونی، جگر مراد آبادی، اصغر گونڈوی، یگانہ چنگیزی، مانی جائسی، سیماب اکبر آبادی، اثر لکھنوی اور وجد اورنگ آبادی نے روایتی غزل کی نمائندگی کی۔ جبکہ ۱۹۳۶ء میں ترقی پسند تحریک کے زیر اثر شاعروں نے غزل کی شاعری کو ہمہ موضوعاتی بناتے ہوئے جدید غزل کی بنیاد رکھی، ایسے شعراء نے حسن و عشق کے بجائے زندگی اور اس کے مسائل کو غزلیہ شاعری میں بیان کرنا شروع کیا چنانچہ فیض احمد فیض، مخدوم محی الدین، مجاز لکھنوی، اختر الایمان، جاں نثار اختر، علی سردار جعفری، کیفی اعظمی، احمد ندیم قاسمی، مجروح سلطانپوری، شکیل بدایونی وغیرہ ایسے شاعر گذرے ہیں جنہوں نے غزل کے سرمایہ میں ہمہ جہت اضافہ کیا۔ اس طرح اُردو شاعری میں آج غزل کو قیمتی سرمایہ کا درجہ حاصل ہے اور اس کے توسط سے آج اُردو شاعر ہر قسم کے مسائل اور موضوعات کی نمائندگی کرنے میں پوری طرح کامیاب ہیں۔ اس طرح غزل کو اُردو شاعری کی مقبول ترین صنف کا درجہ حاصل ہے۔

www.urduacademyts.com

www.urduacademyts.com

غزلیات

www.urduacademyts.com

www.urduacademyts.com

ا۔غزلیات

از:۔سراج اورنگ آبادی

سید شاہ سراج الدین (۱۷۱۴ء۔۱۷۶۵ء) ولی اورنگ آبادی کے بعد دکن کے مایہ ناز غزل گو شاعروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ شہر اورنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ ''ظہور احد'' سے قمری تاریخ پیدائش برآمد ہوتی ہے۔ بچپن سے ہی شعر و شاعری اور تصوف سے شغف تھا۔ حالتِ جذب میں بے ساختہ ہوجاتے تھے دیوانگی طاری رہتی تھی۔ حالتِ جذب میں خلد آباد کے بزرگان کی زیارت کے لیے چلے جاتے۔ شاہ عبدالرحمٰن چشتی کی ادارت میں داخل ہونے کے بعد حالتِ جذب میں کمی آئی۔ برجستہ اشعار کہنے میں کمال تھا۔ کم عمری میں دیوان مرتب کرلیا۔ اپنے پیر و مرشد کی ہدایت پر شاعری ترک کردی پھر کبھی شاعری کی طرف رخ نہیں کیا۔ حسن و عشق کی واردات کے علاوہ متصوفانہ رنگ ان کی شاعری کی خصوصیت ہے۔ مختصر مثنویوں کے علاوہ طویل مثنوی ''بوستانِ خیال'' لکھ کر اپنی قادری الکلامی کا ثبوت دیا۔ دکنی غزل کے نامور شاعروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ اورنگ آباد میں ''آصف جاہی دور'' کے آغاز کے نمائندہ شاعر ہیں۔ جن کی شاعری میں روحانیت، تصوف اور حسنِ اخلاق کا دخل دکھائی دیتا ہے۔ ✪✪✪

---

(۱)

نہ تھا بے اختیاری کے محل میں اختیار اپنا
کروں کیا دل کے ہات آخر کوں سونپا کاروبار اپنا

نہ روئی شمع بھی حسرت سیں پروانے کی تربت پر
کہ کئی تھا عاشق اپنا، خاکسار اپنا نثار اپنا

خدا کے واسطے ٹک رحم کی آنکھوں ستی دیکھو
مجھے گر جانتے ہو تم شہید اپنا، شکار اپنا

تڑپنا، تلملانا، غم میں جلنا، خاک ہوجانا
یہی ہے افتخار اپنا، یہی ہے اعتبار اپنا

سراجؔ آتش سیں غم کے آسماں پر بھی قیامت ہے
کرن مت بوجھ، سورج نے جلایا تار تار اپنا

www.urduacademyts.com

(۲)

دورنگی خوب نیں یک رنگ ہوجا
سراپا موم ہو یا سنگ ہوجا

تجھے جیوں غنچہ گر ہے درد کی بو
لہو کا گھونٹ پی دل تنگ ہوجا

کہا کس تیرہ دل نے تج کوں اے غم
کہ دل کی آرسی پر زنگ ہوجا

یہی آہوں کے تاروں میں صدا ہے
کہ بارِ غم میں خم جیوں چنگ ہوجا

گلے میں ڈال رسوائی کی الفی
الف کھینچ آہ کا بے ننگ ہوجا

برہ کی آگ میں ثابت قدم چل
سراجؔ اب شمع کا ہم رنگ ہوجا

www.urduacademyts.com

۲۔غزلیات

از:۔میر تقی میر

میر محمد تقی میرؔ (۱۷۲۲ء۔۱۸۱۰ء) خدائے سخن میر تقی میر کی پیدائش آگرہ میں ہوئی۔ان کے والد علی متقی صوفی بزرگ تھے۔بچپن میں والد کا انتقال ہوگیا۔کم عمری میں بھائی بہن کی ذمہ داری قبول کی۔دلی میں روزگار حاصل کرنے کے لیے سوتیلے ماموں سراج الدین علی خاں آرزو سے وابستگی اختیار کر کے زندگی گذارنی چاہی۔احمد شاہ ابدالی کے حملے نے دلی کو تباہ کر دیا۔دلی کی تباہی پر افسردہ میرؔ نے لکھنو کا رخ کیا۔ فطرت میں خود پسندی اور یاسیت شامل تھی۔جس کا پورا پورا اثر ان کی شاعری پر پڑا۔دہلی کے امراء سے معاش کا مسئلہ حل نہ ہوسکا۔لکھنو کے نواب کے دربار سے وابستہ رہے لیکن تُنک مزاجی کی وجہ سے دربار سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔غزل کی شاعری میں میرؔ نے ریختہ اور واسوخت کی بنیاد رکھی۔انہیں یاسیت کے امام کا درجہ حاصل ہے۔ساری زندگی افسردگی میں گزار دی۔غزل کے شاعر کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔کئی مثنویاں لکھیں جن میں ''خانۂ میر'' اور ''اژدرنامہ'' کو اہمیت حاصل ہے۔اُردو میں چھ مکمل دیوان چھوڑے ہیں۔نثر میں ان کے لکھے ہوئے تذکرہ ''نکات الشعراء'' کو اُردو کے پہلے تذکرہ کا درجہ حاصل ہے۔لکھنو میں انتقال کیا اور وہیں دفن ہوئے۔میر کا مزار لکھنو ریلوے اسٹیشن کی توسیع میں تباہی کا شکار ہوگیا ان کی خودنوشت سوانح ''ذکر میر'' کے نام سے مشہور ہے۔✪✪✪

---

(۱)

مہر کی تجھ سے توقع تھی ستمگر نکلا
موم سمجھے تھے ترے دل کو سو پتھر نکلا

داغ ہوں رشکِ محبت سے کہ اتنا بے تاب
کس کی تسکیں کے لیے گھر سے تو باہر نکلا

جیتے جی آہ! ترے کوچے سے کوئی نہ پھرا
جو ستم دیدہ رہا، جا کے، سو وہ مر کر نکلا

دل کی آبادی کی اس حد ہے خرابی کہ نہ پوچھ
جانا جاتا ہے کہ اس راہ سے لشکر نکلا

www.urduacademyts.com

اشک تر، قطرۂ خوں، لختِ جگر، پارۂ دل
ایک سے ایک عدو آنکھ سے بہہ کر نکلا

کنج کاوی جو کی، سینے کی غم ہجراں نے
اس دفینے میں سے اقسامِ جواہر نکلا

ہم نے جانا تھا لکھے گا تو کوئی حرف اے میرؔ
پر ترا نامہ تو اک شوق کا دفتر نکلا

---

(۲)

تل کیے پر غصہ کیا ہے لاش مری اٹھوانے دو
جان سے ہم بھی جاتے رہے ہیں تم بھی آؤ جانے دو

ب کے بہت ہے شور بہاراں ہم کو مت زنجیر کرو
دل کی ہوس اک، ہم بھی نکالیں، دھومیں ہمیں مچانے دو

رصہ کتنا سارے جہاں کا وحشت پر جو آجائیں
پاؤں تو ہم پھیلائیں گے، فرصت ہم کو پانے دو

عف بہت ہے میر تمہیں کچھ اس کی گلی میں مت جاؤ
صبر کرو ٹک اور بھی صاحب طاقت جی میں آنے دو

بات بنانا مشکل سا ہے شعر سبھی یاں کہتے ہیں
فکرِ بلند سے یاروں کو اک ایسی غزل کہہ لانے دو

---

www.urduacademyts.com

۳۔غزلیات

از:۔انشاءاللہ خاں انشاء

انشاءاللہ خاں انشاء (۱۷۲۸ تا ۱۸۱۷) لکھنوی طرز و انداز کے استاد شاعر جنہوں نے غزل کی شاعری میں نفاست اور نزاکت کو شامل کر کے امتیازی مقام حاصل کیا۔ان کے والد سید ماشاءاللہ شاہی طبیب اور شاعر تھے۔مرشد آباد سے تعلق رکھتے تھے لیکن تعلیم و تربیت دہلی میں ہوئی۔شاہ عالم ثانی کے زمانہ میں دہلی آئے اور اپنی قابلیت اور شگفتگی کی وجہ سے دربار پر چھا گئے۔کئی زبانیں جانتے تھے۔طبیعت میں شوخی اور طراری تھی۔۱۷۸۶ء میں دہلی سے لکھنو منتقل ہوئے تو لکھنو میں سلیمان شکوہ کے استاد مقرر ہوئے۔انشاء نے غزل گوئی میں نام کیا لیکن ہر صنف شاعری میں طبع آزمائی کی۔ان کی کتاب ''دریائے لطافت'' کو اُردو کی پہلی اُردو قواعد کا موقف حاصل ہے۔نثر میں داستان ''رانی کیتکی کی کہانی'' تحریر کی۔ انشاء کے دور میں لکھنو کی سرزمین شاعری کا اکھاڑا بن چکی تھی۔انہوں نے اُردو میں معاصر ادبی چشمکوں کی بنیاد رکھی۔جس نے عروج حاصل کر لیا۔لکھنو کے دربار سے منسلک رہے اور شوخی و ظرافت کے دریا بہاتے رہے۔ان کا مشہور بے نقاط کلام ''سلکِ گہر'' ندرت اور کمال کی نشاندہی کرتا ہے۔سنجیدگی اور طنز و ظرافت کو یکساں طور پر فروغ دینے والے شاعر انشاءاللہ خاں کا لکھنو میں انتقال ہوا۔ ✪✪✪

(۱)

مجھ سے اغیار کوئی آنکھ ملا سکتے ہیں
منہ تو دیکھو وہ میرے سامنے آسکتے ہیں

حضرتِ دل تو بگاڑ آئے ہیں، اس سے لیکن
اب بھی ہم چاہیں تو پھر بات بنا سکتے ہیں

گرچہ ہیں مونس و غم خوار تگ و دو میں سبھی
پر تری طبع کو کب راہ پہ لا سکتے ہیں

چارہ ساز اپنے تو مصروف بہ دل ہیں لیکن
کوئی تقدیر کے لکھے کو مٹا سکتے ہیں

ہے محبت جو تری دل میں، وہ اک طور یہ ہے
ہم گھٹا سکتے ہیں اُس کو، نہ بڑھا سکتے ہیں

www.urduacademyts.com

یاں وہ آتش نفساں ہیں کہ بھریں آہ تو جھٹ　　آگ دامانِ شفق کو بھی لگا سکتے ہیں

شیخی اتنی نہ کر اے شیخ کہ رندانِ جہاں
انگلیوں پر تجھے چاہے تو نچا سکتے ہیں

---

(۲)

زاہد مرے مولا کے اسرار نہیں پاتا　　غافل اسے کیا پاوے، ہشیار نہیں پاتا

ہر چند کہ تیور تو لڑ جائیں ہیں آپس میں　　پر اپنا کچھ اگلا سا میں پیار نہیں پاتا

چلنے کو تو حاضر ہوں، میں وادیٔ وحشت میں　　یاں قافلہ پر کوئی تیار نہیں پاتا

گو وعدہ کیا تم نے اور کھائی قسم لیکن　　تسکین، دل اپنا کچھ، اے یار نہیں پاتا

اللہ یہ دشمن ہے! اے شوخ تو میرا اب　　جب مجھ کو تو پاتا ہے، ہتھیار نہیں پاتا

گو روپ بدلتا ہے ہر روز نئے انشاؔ
صحبت میں کبھی اس کی پر بار نہیں پاتا

---

www.urduacademyts.com

۴۔غزلیات

از:۔مومن خاں مومنؔ

حکیم مومن خاں مومنؔ (۱۸۰۰ء۔۱۸۵۲ء) دہلی میں پیدا ہوئے۔ خاندانی طبیب تھے۔ شعر وسخن کے علاوہ نجوم، رمل، موسیقی اور شطرنج میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ اپنے عہد کے باکمال شاعروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ان کا رنگِ سخن انوکھا اور منفرد ہے۔تغزل ان کے کلام کا طرّۂ امتیاز ہے۔حسن وعشق کی واردات بڑے دلکش انداز میں بیان کرتے ہیں۔نازک خیالی، معاملہ بندی، معنی آفرینی اور لطیف طنز اُن کی غزلوں کی نمایاں خصوصیات ہیں۔وہ کہیں شوخی سے اپنے کلام کو رنگین بناتے ہیں اور کہیں لفظی رعایتوں سے بات میں بات پیدا کرتے ہیں۔جذبات کی حقیقی، عکاسی اور خیال کی بلند پروازی کے جوہر ان کی غزلوں میں بہت واضح ہیں۔ایک اور پہلو جس نے ان کی غزلوں کو انفرادی رنگ وآہنگ عطا کیا ہے، اُن کا ''مکرِ شاعرانہ'' ہے جس میں ان کا کوئی ہمسر نہیں۔وہ مقطعوں میں اپنے تخلّص مومنؔ سے بھی خوب فائدہ اٹھاتے ہیں۔✪✪✪

(۱)

کہتے ہو، تم کو ہوش نہیں اضطراب میں
سارے گلے تمام ہوئے اک جواب میں

رہتے ہیں جمع کوچۂ جاناں میں خاص وعام
آباد ایک گھر ہے جہانِ خراب میں

مطلب کی جستجو نے یہ کیا حال کردیا
حسرت بھی اب نہیں ہے دلِ ناکامیاب میں

ناکامیوں سے کام رہا عمر بھر ہمیں
پیری میں یاس ہے جو ہوس تھی شباب میں

پیہم سجود پائے صنم پر دمِ وداع
مومنؔ خدا کو بھول گئے اضطراب میں

www.urduacademyts.com

(۲)

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی یعنی وعدہ نباہ کا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ جو لطف مجھ پہ تھے پیشتر، وہ کرم کہ تھا مرے حال پر
مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ نئے گلے وہ شکایتیں، وہ مزے مزے کی حکایتیں
وہ ہر ایک بات پہ روٹھنا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کبھی بیٹھے سب میں جو روبرو تو اشارتوں ہی سے گفتگو
وہ بیان شوق کا برملا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

ہوئے اتفاق سے گر بہم، تو وفا جتانے کو دم بہ دم
گلۂ ملامتِ اقربا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کوئی بات ایسی اگر ہوئی، کہ تمہارے جی کو بری لگی
تو بیاں سے پہلے ہی بھولنا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کبھی ہم میں تم میں بھی چاہ تھی، کبھی ہم میں تم میں بھی راہ تھی
کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ بگڑنا وصل کی رات کا، وہ نہ ماننا کسی بات کا
وہ نہیں نہیں کی ہر ادا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

جسے آپ گنتے تھے آشنا، جسے آپ کہتے تھے باوفا
میں وہی ہوں مومنِ مبتلا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

---

www.urduacademyts.com

۵۔غزلیات

از:۔شوکت علی خاں فانؔی بدایونی

شوکت علی خاں فانی بدایونی (۱۸۷۹ء۔۱۹۴۱ء) بمقام بدایون ۱۸۷۹ء میں پیدا ہوئے آپ کے آباء واجداد کابل سے شاہ عالم کے زمانے میں ہندوستان آئے۔ فانی نے تیرہ سال کی عمر تک قدیم طریقہ پر عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ جس کے بعد انگریزی تعلیم کی شروعات کی۔ ۱۹۰۱ء میں بریلی کالج سے بی۔اے اور ۱۹۰۸ء میں علی گڑھ سے یل یل بی کی ڈگری حاصل کی۔ گیارہ بارہ برس میں شاعری کا شوق ہوا۔ ان کی پہلی غزل ۱۸۹۰ء میں شائع ہوئی۔ بیس سال کی عمر میں پہلا دیوان مکمل کیا۔ ۱۹۲۹ء میں دوسرا دیوان ''باقیاتِ فانی'' مرتب کیا جو فانی کے اصلی رنگ کا مظہر ہے۔ ان کی زندگی ناکامیوں اور مایوسیوں کی داستاں سناتی ہے۔ ان کے کلام میں حزن وملال کی کثرت ہے اسی لیے باقیات فانی کے مقدمہ میں رشید احمد صدیقی نے فانی کو یاسیات کا امام قرار دیا ہے۔ اُردو کے چند بڑے سنجیدہ شاعروں میں فانؔی کا شمار ہوتا ہے۔ وہ اپنی سنجیدگی سے شعریت کی دنیا سجاتے اور یاسیت کا اظہار کرتے ہیں۔ اپنے مخصوص اور انفرادی رنگ میں فانی نے میر کے دل کی بے تابی اور غالب کے دماغ کی عصری حسیت کو قبول کیا ہے۔ اپنے وطن میں وکالت کی ناکام ہونے پر حیدرآباد کا رخ کیا۔ مہاراجہ کشن پرشاد کے توسط سے مدرس کی ملازمت حاصل ہوئی اور ساری زندگی مدرسہ کی ملازمت کرتے ہوئے گذاردی۔ ۲۷/اگست ۱۹۴۱ء کو حیدرآباد میں انتقال ہوا اور درگاہ یوسفین میں سپرد خاک ہوئے۔ ✪✪✪

---

(۱)

جی ڈھونڈھتا ہے گھر کوئی دونوں جہاں سے دور
اس آپ کی زمیں سے الگ آسماں سے دور

www.urduacademyts.com

شاید میں درخورِ نگہ خود کرم نہیں
بجلی تڑپ رہی ہے میرے آشیاں سے دور

ہے منع راہِ عشق میں دیر و حرم کا ہوش
یعنی کہاں سے پاس ہے منزل، کہاں سے دور

تا عرضِ شوق میں رہے بندگی کی لاگ
اک سجدہ چاہتا ہوں ترے آستاں سے دور

فانی دکن میں آکے یہ عقدہ کھلا کہ ہم
ہندوستاں میں رہتے ہیں ہندوستاں سے دور

---

(۲)

دنیا مری بلا جانے مہنگی ہے یا سستی ہے
موت ملے تو مفت نہ لوں ہستی کی کیا ہستی ہے

آبادی بھی دیکھی ہے ویرانے بھی دیکھے ہیں
جو اجڑے اور پھر نہ بسے دل، ایسی نرالی بستی ہے

جان سی شئے بک جاتی ہے ایک نظر کے بدلے میں
آگے مرضی گاہک کی ان داموں میں تو سستی ہے

جگ سونا ہے تیرے بغیر، آنکھوں کا کیا حال ہوا
جب بھی دنیا بستی تھی، اب بھی دنیا بستی ہے

دل کا اجڑنا سہل سہی، بسنا سہل نہیں ظالم
بستی بسنا سہل نہیں، بستے بستے بستی ہے

فانی جس میں آنسو کیا، دل کے لہو کا کال نہ تھا
ہائے وہ آنکھ اب پانی کی، دو بوندوں کو ترستی ہے

---

www.urduacademyts.com

۶۔غزلیات

از:۔مجروح سلطان پوری

اسرارحسن خاں مجروح سلطان پوری (۱۹۱۵ء۔۲۰۰۴ء) مجروح کا آبائی وطن سلطان پور ہے۔ان کے والد محمد حسین خاں ملازمت کے سلسلہ میں قصبہ نظام آباد ضلع (اعظم گڈھ) میں قیام پذیر تھے کہ عیدالفطر بروز جمعہ ۱۳/ اگست ۱۹۱۵ء کو مجروح پیدا ہوئے۔ان کے خاندان میں والد پہلے فرد تھے جنہوں نے انگریزی فوج میں ملازمت کر کے پولیس کے سارجنٹ کی حیثیت سے سبکدوشی اختیار کی۔ابتداء سے شاعری سے دلچسپی تھی۔۱۹۴۰ء میں پہلی غزل لکھی۔ان کی ابتدائی تعلیم اعظم گڈھ میں ہوئی۔مزید تعلیم کے لیے ٹانڈہ (فیض آباد، بھیجا گیا۔مدرسہ کنز العلوم میں داخلہ لیا اور بورڈنگ ہاؤس میں شریک ہوئے۔مدرسہ سہارنپور کے نصاب کا امتحان دیئے بغیر لوٹ آئے اور الہ آباد یونیورسٹی سے مولوی عالم اور مولوی فاضل کی خانگی تیاری کی۔دونوں امتحانوں میں کامیابی کے بعد ۱۹۳۴ء میں الہ آباد کے مصباح العلوم مدرسہ میں داخلہ لیا لیکن تعلیم ادھوری چھوڑی۔۱۹۳۶ء میں لکھنو آکر تکمیل الطب کی۔ابتداء میں مولانا آسی سے اصلاح لی۔فلمی گانوں کی وجہ سے معروف ہوئے۔اُردو غزل گوئی میں جدید انداز کو فروغ دینے والے شعراء میں مجروح ایک کامیاب ترقی پسند شاعر ہیں۔سلطان پور ترک کر کے ممبئی آگئے۔فلمی دنیا سے وابستگی اختیار کی۔شاعری کا مجموعہ ''غزل'' شائع کیا۔ریاستی حکومت کا اعزاز لوٹا دیا۔ممبئی میں ہے ۲۰۰۴ء میں انتقال کیا۔جدید غزل کے روح رواں کی حیثیت سے مجروح امتیازی مقام کے حامل ہیں۔✪✪✪

---

(۱)

گو رات میری صبح کی محرم تو نہیں ہے — سورج سے ترا رنگِ حنا کم تو نہیں ہے
کچھ زخم ہی کھائیں، چلو کچھ گل ہی کھلائیں — ہر چند بہاراں کا یہ موسم تو نہیں ہے

www.urduacademyts.com

اتنی بھی ہمیں بندشِ غم کب تھی گوارا
پردے میں تری کاکلِ پُرخم تو نہیں ہے

اب کارگہِ دہر میں لگتا ہے بہت دل
اے دوست کہیں یہ بھی ترا غم تو نہیں ہے

صحرا میں بگولا بھی ہے مجروحؔ صبا بھی
ہم سا کوئی آوارۂ عالم تو نہیں ہے

---

(۲)

جب ہوا عرفاں تو غم آرام جاں بنتا گیا
سوزِ جاناں دل میں سوزِ دیگراں بنتا گیا

رفتہ رفتہ منتقل ہوتی گئی رنگ چمن
دھیرے دھیرے نغمۂ دل بھی فغاں بنتا گیا

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

میں تو جب جانوں کہ بھر دے ساغر ہر خاص و عام
یوں تو جو آیا وہی پیرِ مغاں بنتا گیا

جس طرف بھی چل پڑے ہم آبلہ پایانِ شوق
خار سے گل اور گل سے گلستاں بنتا گیا

www.urduacademyts.com

شرحِ غم تو مختصر ہوتی گئی اس کے حضور
لفظ جو منہ سے نہ نکلا، داستاں بنتا گیا

دہر میں مجروح کوئی جاوداں مضمون کہاں
میں جسے چھوتا گیا وہ جاوداں بنتا گیا

عثمانیہ یونیورسٹی